فقہی اصول وضوابط کا نادر مجموعہ

مُسمّٰی باسمِ تاریخی

الاصل الفقہی مِن افاداتِ الرضوی

۲۰۶۰۲

ازقلم

(مولانا مفتی) عبدالواجد قادری
(امینِ شریعت، بہار، انڈیا)

نام کتاب :- الاصل الفقہی من افادات الرضوی (فتوی نویسی کے رہنما اصول)
مرتّب ومولف:- حضرت مولانا مفتی عبد الواجد قادری (مفتی اعظم نیدرلینڈ)
تکمیلِ آرزو:- مولانا عبد الغفّار صاحب نورآنی سکریٹری مجلس علماء نیدرلینڈ
باھتمام :- عباس علی واجدی قادری سکریٹری انجمن القرآن ہالینڈ
ناشِر :- S.I القرآن (اسلامک فونڈیشن نیدرلینڈ یورپ)
کتابت :- محمّد ادریس رحمانی دہلی
پریس :-
تعدادِ اشاعت:- گیارہ سو ۱۱۰۰/=
سول ایجنٹ:- مکتبہ جامِ نور، مٹیا محل ۴۲۲ جامع مسجد دہلی ۶ انڈیا
قیمت :- دس روپے ۱۵/=

ملنے کے دیگر پتے

۱- القرآن- پوسٹ بکس ۱۲۱۷۸ پوسٹ کوڈ AD ۱۱۰۰ آسٹرڈام، ہالینڈ
۲- مجلس علماء نیدرلینڈ- پوسٹ بکس ۳۸۰۲۷ پوسٹ کوڈ AH ۲۵۰۷ دی ہیگ، نیدرلینڈ
۳- مکتبہ رحمانیہ- رضانگر (سوداگران) بریلی ۲۴۳۰۰۳ یوپی- انڈیا
۴- خالد رضا قادری، قادری منزل، محلہ قلعہ گھاٹ، دربھنگہ ۸۴۶۰۰۴ بہار- انڈیا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ابتداءً میں نے چاہا تھا کہ متعلق سوال کا مختصر جواب لکھ دوں لیکن جواب لکھنے سے پہلے میں نے فتاویٰ رضویہ شریف کا مطالعہ ضروری سمجھا پھر اس بحرِ ذخّار کی مختصر غوّاصی نے قواعد واصولِ فقہیہ کے لؤلؤ ولالۂ آبدار کا انبار لگا دیا کہ اگر میں اِن سب کو جمع کروں تو یقیناً ایک ضخیم ونادر کتاب کا کتبِ اصول میں اضافہ ہو جائے لیکن میں نے اِن میں سے بعض ہی لؤلؤ و مرجان کو یہاں جمع کرنے کی کوشش کی ہے تاکہ قاری کیلئے بارِ مطالعہ نہ بنے اور بغیر ملولِ خاطر کے اِن کی معلومات میں مزید اضافہ ہو جائے۔

پھر بھی اگر کوئی باذوق طالب الافتاء مزید قواعد فقہیہ اور اصول افتاء سے سرفراز ہونا چاہے تو فتاویٰ رضویہ کی بیسوں ضخیم جلدیں بازارِ کتب میں دستیاب ہیں اِس کے علاوہ دیگر کتب اصول (جس کی نشاندہی پہلے کی جا چکی ہے) کا بالاستیعاب مطالعہ کرے اور اپنے کشکول طلب کو بھرے۔

چونکہ اس جواب نے بڑھتے بڑھتے ایک رسالہ کی شکل اختیار کرلی اس لئے میں نے مضمون کی رعایت کرتے ہوئے اس کا تاریخی نام "الاصل الفقہی منٓ افادۃ الرضوی" رکھ دیا۔

پھر متعدد اداروں میں افتاء و قضاء کی تربیت پانے والے حضرات علماء کرام کا اصرار ہوا کہ اس رسالہ کو چھپوا دیا جائے تاکہ عام شائقین وطالبینِ افتاء اس سے فائدہ اٹھا سکیں۔

لہٰذا اب میں اُس کی سنِ طباعت کی رعایت کرتے ہوئے مختصر مگر مفید تغیّر کے ساتھ تاریخی نام "الاصل الفقهی منٓ افادات الرضوی" تجویز کرتا ہوں اور ناظرین سے دعاء واصلاح کا طالب ہوں۔

ایک ناچیز طالبِ علم

عبدُ الواجدِ قادری غفرلہٗ خادم القضاء والافتاء

مجلسِ علماء جامعہ مدینۃ الاسلام، اسلامک فونڈیشن۔ نیدرلینڈ (یورپ)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بخدمت اقدس حضرت مفتی اعظم ہالینڈ! زَادَاللّٰہُ اَلطَافَکُمْ وَمَکَارِمَکُمْ

آپ کو معلوم ہے کہ نیدرلینڈ میں مقیم علماءِ دین پر مشتمل ایک دینی تنظیم بنام "مجلسِ علماء نیدرلینڈ" عمل میں آچکی ہے۔ قانونِ ملکی کے مطابق جس کا رجسٹریشن بھی ہو چکا ہے۔

تنظیم مذکور کے شعبوں میں دو اہم ترین شعبے دارالقضاء اور دارالافتاء ہیں۔ فی الحال یہ دونوں شعبے تنظیم کے مرکزی دفتر "دی ہیگ" میں آپ ہی کے زیرِ رہنمائی چل رہے ہیں۔

لیکن مجلسِ علماء نیدرلینڈ نے یہ طے کیا ہے کہ قریبی دنوں میں اس کی ذیلی شاخیں ملک بھر کے بڑے بڑے شہروں میں مسلمانوں کی سہولت و آسانی کیلئے قائم کی جائیں۔

لہٰذا مجلسِ علماء یہ چاہتی ہے کہ حضور والا نہایت اختصار و جامعیّت کیساتھ مفتی و قاضی کی تعریف و اہلیّت اور ذمّہ داری نیز دارالافتاء و دارالقضاء کے اصول وضوابط کو اصولِ فقہ اور رسم المفتی کے پیشِ نظر مرتّب فرمادیں جو یہاں قائم ہونے والے دارالافتاء اور دارالقضاء کے واسطے رہنما اصول، آسانی کا ذریعہ اور لائحہ عمل ہو۔ نیز انہی اصول وضوابط کے مطابق حضرات مفتیانِ کرام، قضاۃ عظّام کا نصب وعزل ہو۔ اُمید ہیکہ جواب باصواب سے نواز کر مجلسِ علماء نیدرلینڈ کو شکریہ کا موقع دیں گے۔

سائل

(مولانا) عبدالغفّار نورانی

سکریٹری جنرل: مجلسِ علماء، نیدرلینڈ

دُعاء

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْاَنْبِیَاءِ وَاِمَامِ الْمُرْسَلِیْنَ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَصَحْبِہٖ وَحِزْبِہٖ اَجْمَعِیْنَ۔ یَا اِلٰہَ الْعَالَمِیْنَ! ہمیں صراطِ مستقیم پر چلا، صراط مستقیم کی تبلیغ واشاعت کی توفیق دے، صراط مستقیم ہی پر موت عطا فرما اور صراط مستقیم والوں کے ساتھ حشر فرما۔ آمین

یَا رَبَّ الْعَالَمِیْنَ! اپنے فضلِ بے نہایت سے ہمیں دینِ متین کی کامل سمجھ عطا فرما۔ اوامر دینیہ کو بجالانے اور منہیّاتِ شرعیّہ سے مجتنب رہنے کی توفیق دے۔ آمین

خداوندا! اپنے ان مخلص بندوں کی پیروی کی توفیق دے جنہوں نے صرف تیری رضا وخوشنودی کے لئے زندگی بھر شریعتِ اسلامیہ کی بے لوث خدمت انجام دی اور مسائلِ دینیہ صحیحہ رجیحہ تک رسائی کے لئے ایسے ایسے قواعد واصولِ فقہیّہ کی تدوین فرمائی کہ اس کی پیروی کے بعد کھٹکنے کا کھٹکا نہ رہا۔ خداوندا! انہیں اصول وقواعدِ فقہیہ کی پیروی کی توفیق دے، اور مطلق العنانی سے بچا۔ آمین

اے میرے مالک ومولیٰ! مجھے اپنی علمی تہی دامنی کا اقرار ہے لیکن تو ستّار وغفّار ہے، مجھے توفیق دے کہ میں علوم وفنونِ شرعیّہ جاننے والوں کے سامنے زانوئے ادب تہ کرسکوں اور تیرے حکم کے مطابق "فَسْئَلُوْا اَھْلَ الذِّکْرِ اِنْ کُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ" ان سے علوم دینیہ اور مسائلِ شرعیّہ

کو سیکھ سکوں۔ آمین

کارسازا! بندہ نوازا!! تو نے محض اپنے فضل سے فقیر بے نوا کے ذریعہ دین کی جو خدمتیں لی ہیں انہیں اپنے کرم سے قبول بھی فرمالے اور مزید خدمت کی توفیق عنایت فرما۔ خدمتِ دین کے سلسلہ میں جو بھی کوتاہیاں، غلطیاں سہو و نسیان، عمدًا یا سہوًا واقع ہوئے ہوں اپنے مقبول بندوں کے طفیل انہیں معاف فرمادے کہ تو معاف فرمانے والا ہے اور معافی کو پسند فرماتا ہے۔ اَللّٰھُمَّ اِنَّكَ عَفُوٌّ تُحِبُّ الْعَفْوَ فَاعْفُ عَنِّیْ یَا عَفُوْ بِبَرْکَةِ لِلنَّبِیِّ الْکَرِیْمِ الْاَمِیْنِ صَلَّی اللّٰہُ تَبَارَكَ وَ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَصَحْبِہٖ اَجْمَعِیْنَ بِرَحْمَتِكَ یَا اَرْحَمَ الرّٰحِمِیْنَ ۞

فہرست مضامین

مُبَسْمِلاً وَّحَامِدًا وَّمُصَلِّيًا وَّمُسَلِّمًا

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمُجِيْبِ الْوَهَّابِ وَهُوَ الْهَادِیْ اِلَی الصَّوَابِ :

مفتی

مفتی دینِ حق کا باضابطہ نمائندہ، مذہبِ اہلسنت کا محافظ اور... مسلکِ سلفِ صالحین کا ترجمان ہوتا ہے۔ لہذا اسے علومِ دینیہ کا تاجدار، اطاعت گزار و تقویٰ شعار، اعمالِ صالحہ کا شہسوار اور اخلاص و اخلاقِ محمّدی کا آئینہ دار ہونا چاہئے۔

مفتی کی جامع تعریف

امام اہلسنّت اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ نے مفتی کے لئے اس کے علوم و اوصاف کی نشاندہی کرتے ہوئے فرمایا " تفسیر و حدیث، اصول و ادب ہیئات و ہندسہ، توقیت (بقدرِ حاجت) کتبِ فقہیّہ کا کثیر مشغلہ، اشغالِ دنیویّہ سے یک گونہ فراغ، قلب اور توجّہ اِلَی اللہ، نیّت لِوَجہِ اللہ اور ساتھ ہی ساتھ توفیق مِنَ اللہ۔ اور مہارت اتنی ہو کہ اس کی اصابت، اس کی خطا پر غالب ہو۔ اور جب خطا واقع ہو تو رجوع سے عار نہ کرے، جو اِن شرائط کا جامع ہو اور اس بحرِ ذخّار میں شناوری کر سکتا ہو وہ مفتی ہو سکتا ہے۔ (فتاوٰی رضویہ)

فقہاء اصولیین کے نزدیک مفتی کے اندر بصیرتِ اجتہاد کا پایا جانا بھی ضروری ہے اس لئے ان کے نزدیک کسی غیر مجتہد کا فتویٰ دینا جائز نہیں ہے۔

لیکن یہ ضروری نہیں کہ مفتی کا اجتہاد اجتہاد جلی یا اجتہادِ مستقل ہو۔ کیونکہ یہ اجتہاد تو ائمہ مجتہدین کے ساتھ خاص ہے جس کی نظیر صدیوں قبل سے دیکھنے میں نہیں آ رہی ہے۔

یہاں یہ بات بھی قابلِ حفظ ہے کہ اجتہاد (جلی یا مستقل) کوئی نبوّت نہیں کہ جس کا دروازہ ہمیشہ کے لئے بند ہو گیا ہو اور اس کا کھلنا ناممکن و محال ہو۔ لیکن تجربہ شاہد ہے کہ اس کا صحیح اہل ایک مدّت سے کوئی نظر نہیں آتا ہے (شیعوں کے یہاں مجتہدینِ عصر کی برسات یا نوروزی کاشت کے خودرو جنگلات شرعاً کچھ بھی قابلِ التفات نہیں ہیں) بالفرض اگر کوئی اس کی اہلیّت کا مدّعی ہو تو اسے دلائل کی کسوٹی پر جانچنا ضروری ہے تاکہ حقیقت واشگاف ہو جائے اور اس کے اجتہاد کی قلعی کھل جائے۔ مثلاً زمانۂ موجودہ کے شترِ بے مہار جو تقلیدِ ائمہ کو ناجائز و حرام کہتے ہیں یا جو مغربی تہذیب و افکار کے شکار ہو چکے ہیں ان کے سامنے مسائل محدثہ میں سے صرف سو یا پچاس ایسے مسائل پیش کئے جائیں جس کی نظیر قیاس ائمہ مجتہدین میں نہ ہو اور پھر ان کے جوابات دلائل و براہین شرعیہ کے ساتھ طلب کئے جائیں تو ان مدعیانِ قیاس کو اپنے قیاس کی قدر و قیمت معلوم ہو جائے گی اور ماننا پڑے گا کہ قیاس شرعی تک رسائی آسان نہیں ہے۔

موجودہ دور اور کارِ افتاء

موجودہ زمانہ میں علومِ اسلامیہ سے بے اعتنائی، فکری انحطاط

اصابت رائے کی کمی اور اتّباعِ ہوا و ہوس کے بڑھتے ہوئے رجحانات و حالات میں علماءِ اسلام نے اس بات کی اجازت دی ہے کہ اگر ائمۂ مجتہدین میں سے کسی مجتہد کی رائے باوثوق ذرائع (کتبِ متون و شروح و فتاویٰ) سے مِل جائے تو اس رائے پر فتویٰ دینا جائز ہے۔

(الاحکام فی اصول الاحکام ص۲۴۱)

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ فی زمانِنا حقیقی مفتیِ شرع نایاب و کمیاب ہیں اور عام طور پر جنہیں مفتی یا قاضی کہا جاتا ہے دراصل وہ ناقِل ہیں۔ اور ان کے فتاوے حضرات مجتہدینِ کرام کے اقوال و آراء کے نقول یا ماسبق فتاویٰ کا چربہ ہے۔

کتاب و سنّت میں جنہیں فقیہہ (مفتی) فرمایا گیا ہے اس کا معنیٰ و مفہوم اس سے کہیں زیادہ وسیع و اہم ہے جس قدر ہم سمجھتے ہیں۔ اور اس معنیٰ و مفہوم کو سامنے رکھتے ہوئے موجودہ دَور کے مفتی و قاضی کو ناقِل کے لفظ سے تعبیر کرنا انسب ہے۔

ہاں اگر اس صحیح و برمحل لفظ کی تعبیر و استعمال سے کوئی ناقِل اپنی ہتک محسوس کرتا ہو، یا اس لفظ کے مفہوم کو اصطلاحِ عوام نے پُرمذاق بنا دیا ہو تو حضرات ناقلین کو عُرفاً مفتی و قاضی کہنے میں بھی چنداں مضائقہ نہیں معلوم ہوتا ہے جیسے زمانہ سَلف میں متبحّر علماءِ کرام اور نابغۂ روزگار علمی شخصیتوں کو مُلّا مولوی یا میاں جی کہا جاتا تھا لیکن زمانہ حال میں اصطلاحِ عوام نے اِن القابات کو پُرمذاق بنا دیا ہے تو اب علومِ دینیہ کے فارغ التحصیل حضرات کو بجائے مُلّا یا میاں جی کے مولانا، علّامہ یا سیّدنا کہنے میں کوئی حرج نہیں بلکہ تقاضائے ادب بھی یہی ہے۔ اعلیٰ حضرت عظیم البرکۃ فرماتے ہیں:

"الفتوی حقیقیّۃ وعُرفیۃ فالحقیقۃ ھوالافتاء عن معرفۃ الدّلیل التّفصیلی واولئك الذین یقال لھم اصحاب الفتوی الخ والعرفیۃ اخبارالعالم باقوال الامام جاھلاً عنھا تقلیداً لہ من دون تلك المعرفۃ الخ (فتاوٰی رضویہ جلداول ص۱۰۹)

فقیہہ یاراسخ العلم

قرآن کریم میں دو مقامات پر راسخ العلم اور بیس مقامات پر لفظِ فقیہہ یا اس سے مشتق الفاظ کا استعمال ہوا ہے جن سے ان دونوں لفظوں کے لغوی و شرعی معنوں اور مفہوموں کی وضاحت ہوتی ہے۔ (المفہرس لالفاظ القرآن)

اور احادیث نبویہ میں بھی کثیر مقامات پر فقہ، تفقہہ، اور راسخ العلم کا ذکر آیا ہے۔ مثلاً فَقِیۡہٌ وَاحِدٌ اَشَدُّ علَے الشَّیۡطٰنِ مِنۡ اَلۡفِ عَابِدٍ۔

(رواہ الترمذی)

اِنَّ النَّاسَ لَکُمۡ تَبَعٌ وَاَنَّ رِجَالًا یَأۡتُوۡنَکُمۡ مِنۡ اَقۡطَارِ الۡاَرۡضِ یَتَفَقَّھُوۡنَ فِی الدِّیۡنِ (رواہ الترمذی) مَنۡ یُّرِدِ اللّٰہُ بِہٖ خَیۡرًا یُّفَقِّھۡہُ فِی الدِّیۡنِ (بخاری ومسلم) وغیرھما

فقہ کی تعریف

آیاتِ قرآنیہ اور احادیث نبویّہ کی روشنی میں فقہاء کرام نے فقہ کی جو تعریفیں کی ہیں ان سے فقیہہ کی حیثیت و پہچان بھی واضح ہوتی ہے اور یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ صرف عملی احکام کے جاننے والوں کو فقیہہ یا راسخ العلم نہیں کہا جاتا بلکہ انتہائی علمی کاوش اور علوم دینیہ شرعیہ کی معلومات و مہارت

کے بعد جو علمی بصیرت، حکیمانہ بالغ نظری، جلائِ فکری اور احساسِ ذمّہ داری پیدا ہوتا ہے اسی کو تفقہہ فی الدّین کہتے ہیں۔ چنانچہ امام الائمّہ کاشف الغمّہ سراج الامّہ سیّدنا امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فقہ کی تعریف اِن الفاظ میں کی ہے "مَعْرِفَۃُ النَّفْسِ مَالَھَا وَمَا عَلَیْھَا" کہ ایسی حقیقی معرفت جس کے ذریعہ انسان اپنے فائدے اور نقصان کو معلوم کر سکے فقہ ہے۔

فقہ کی اس مختصر مگر جامع تعریف میں امام اعظم علیہ الرحمہ نے تفقہہ فی الدّین کے اُس مفہوم کو ملحوظ رکھا ہے جس کا ذکر آیاتِ قرآنیہ اور احادیث نبویّہ میں آیا

فقیہہ اور رَاسخ العِلم میں فرق

واضح ہو کہ مذکورہ دونوں علمی و اخلاقی صفاتِ جلیلہ دینیہ کے درمیان صرف جوہرِ اخلاق کا غلبہ یا عدمِ غلبہ ہے یعنی اگر شرعی علوم کی مہارت اور حکیمانہ فکر و نظر غالب ہے تو وہ فقیہہ ہے۔ اور اگر علمی و فکری مہارت پر اخلاقی خوبیاں غالب ہیں تو وہ راسخ العِلم ہے۔ جیسا کہ طبرانی شریف کی روایت سے معلوم ہوتا ہے: "اَنَّ رَسُوْلَ اللہِ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ سُئِلَ عَنِ الرَّاسِخِیْنَ فِی الْعِلْمِ فَقَالَ مَنْ برت یَمِیْنُہٗ وَصَدَقَ لِسَانُہٗ وَاسْتَقَامَ قَلْبُہٗ وَمَنْ عَطِفَ بَطْنُہٗ وَفَرْجُہٗ فَذٰلِکَ الرَّاسِخُوْنَ فِی الْعِلْمِ (جو اپنی قسم اور قول و قرار کے پختہ ہوں، زبان کے سچے اور دل کے صاف ہوں نیز اس کی روزی حلال اور وہ پاکدامن ہوں تو وہ راسخ العلم ہیں)"۔ اور جو شخص ان دونوں اوصاف دینیہ کا جامع ہو وہ حقیقتاً مفتی یا فقیہہ ہے۔

فقہ کی کچھ اور تعریف

عمدۃ المتأخرین حضرت علامۃ الفہامہ ابن عابدین شامی صاحبِ ردّالمحتار علیہ الرحمہ فقہ کی تعریف یوں فرماتے ہیں "العلم بالاحکامِ الشرعیۃِ العملیۃ من ادلّۃ التفصیلۃ" کہ شرعی معمولات کے احکام کو تفصیلی دلائل کے ساتھ جاننا فقہ ہے۔

البحر الرائق نے فقہ کی تعریف میں بعض فقہاء کی یہ قید بھی بڑھائی ہے "المکتسبۃ من ادلتھا التفصیلۃ بالاستدلال" یعنی شریعت کے عملی احکام کو ان کے ماخذ اور تفصیلی دلائل کے ذریعہ جاننے کا نام فقہ ہے اور وہ تفصیلی دلائل بذریعہ استدلال حاصل ہوں۔

شوافع کے یہاں فقہ کی یہ تعریف تقریباً مسلّم ہے۔ "الفقہ مخصوص بالعلم الحاصل بجملۃ من الاحکامِ الشرعیۃ بالنظر والاستدلال" کہ فقہ وہ مخصوص علم ہے جس کے ذریعہ بصیرت و دلیل کے ساتھ تمام احکام شریعت کا علم ہو جائے اور فقیہہ وہ ہے جو اس کا حامل ہو۔

جیسا کہ پہلے میں نے عرض کیا کہ مفتی و فقیہہ کے اندر یک گونہ اجتہادی بصیرت کا پایا جانا بھی ضروری ہے اس کے تعلق سے البحر الرائق جلد اوّل ہی میں ہے "فلیس الفقیہ الّا المجتھد عندھم واطلاقہ علی المقلد الحافظ المسائل مجازًا" کہ مجتہد ہی اصل میں فقیہہ (مفتی) ہوتا ہے اور غیر مجتہد پر اگرچہ وہ مسائل شرعیہ کا حافظ ہو فقیہہ کا اطلاق صرف مجازاً ہے۔

مفتی میں قوتِ علمی کے ساتھ ساتھ بصیرتِ اجتہاد کا ہونا بایں معنی ضروری ہے کہ وہ مسائلِ محدثہ میں اپنی بصیرت اجتہاد اور قوّتِ علمیہ فقہیہ سے کوئی ایسی رائے قائم کرسکے جس کا ثواب خطا پر غالب ہو، محض فقہی جزئیات و مسائل کے حافظ و عالم کو مجازاً تو مفتی و فقیہہ کہا جاسکتا ہے لیکن وہ علماء اصولیین کی نظر میں مفتی نہیں ہوگا۔

مفتی و فقیہہ کی خصوصیّت

فقہ کی مذکورہ بالا تعریفوں سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ایک مفتی و فقیہہ یا قاضیِ شریعت کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ مقاصد شرع اور مسائلِ جدیدہ محدّثہ کے بارے میں ان علوم و معارف سے واقف ہو جو اس کو پیش آمدہ صورت کا حکم مستنبط کرنے کے قابل بنا سکیں۔ یعنی وہ اس مسئلہ کے بارے میں کتاب و سنّت اور اجماع پر نظر رکھتا ہو نیز قیاس شرعی کے طریقے اور اصول سے واقف ہو۔

پھر وہ مسئلہِ محدثہ جس شعبۂ زندگی سے متعلق ہو اس کی معلومات اسے حاصل ہو اور اس کے مالہ و ماعلیہ کو بھی جانتا ہو۔

یہیں سے یہ بات اظہر منَ الشمس ہو جاتی ہے کہ ایک مفتی و فقیہہ یا قاضی کے اندر اعلیٰ درجہ کی شرعی علمی لیاقت، حکیمانہ فکر و نظر اور مجتہدانہ بصیرت ہو صرف فقہی جزئیات کا علم یا ان کا حفظ کسی عالم دین کو فقیہہ و مفتی نہیں بنا سکتا ہے بلکہ اس کے اندر علمی و فنّی مہارت کے ساتھ ساتھ اجتہادی بصیرت اور احوالِ زمانہ سے واقفیت بھی ہو تاکہ وہ نئے مسائل کے بارے میں صحیح شرعی حکم دینے میں صواب سے زیادہ قریب ہو۔

اعلیٰ حضرت عظیم البرکۃ علیہ الرحمہ نے اپنے فتاویٰ میں بار بار اس اہمیّت کی طرف توجہ دلائی کہ "تفقّہ کا رکنِ اعظم مقصدِ شرع کا ادراک اور احوالِ بلاد و عباد پر نظر ہے"۔ اور یہ بھی پُر ظاہر کہ نئے مسائل صرف عقائد و عبادات، طہارت و نجاست، حلّت و حرمت ہی سے متعلق نہیں ہوتے بلکہ معاملات و معاشرت، اخلاق و عادات اور اس سے بھی آگے سیاسی تصورات اور حکومتی انتظامات وغیرہا سے بھی متعلق ہو سکتے ہیں بلکہ ہوتے ہیں پھر ان میں سے بہت سارے معاملات و سیاست کا حصّہ بین الاقوامی قوانین اور اس کے اصول سے بھی جڑا ہوا ہوتا ہے۔

اس لئے ایک مفتی و فقیہ ان متعلّقات سے بے نیاز ہو کر گوشۂ تنہائی میں سو کر اپنے فرائض کو پورے طور پر انجام نہیں دے سکتا۔ لہٰذا مفتی و قاضی کے لئے یہ بھی ناگزیر ہے کہ وہ ملکی و بین الاقوامی قانون اور اس کی تبدیلیوں پر بھی نگاہ رکھے اور معاملاتی و معاشرتی تغیّرات کا بھی اسے علم ہوتا رہے۔

مفتی کے لئے یہ بھی ضروری ہے

کہ وہ کسی تجربہ کار، مشّاق، ماہر فن استاد کی خدمت میں رہ کر فتویٰ نویسی کے اسرار و نکات اور برمحل استعمال کے لئے بعض الفاظ و کلمات مصطلحہ کا علم حاصل کرے، پھر فتویٰ نویسی کے لئے اسی استاذِ حاذق کا مجاز و ماذون اور سند یافتہ ہونا فی زماننا ضروری ہے۔ صرف مسائل و دلائل کا یاد کر لینا کافی نہیں۔ (اصول الفقہ ص۲۱۹)

مفتی و فقیہ کو صاحبِ عدالت ہونا چاہئے یعنی وہ متقی و پرہیز گار، محتاط و دیانتدار ہو حضرت امام نووی شرح المہذّب ص۴۱ میں فرماتے ہیں

"ینبغی ان یکون المفتی ظاھرًالورع مشھورًا بالدیانۃ الظاھرۃ والصیانۃ الباھرۃ" کہ مفتی کوظاہری اعتبار سے بھی صاحبِ ورع ہونا چاہئے اور دیانت واحتیاط میں اپنے مقام میں مشہور ہو۔

واجبُ الحِفظ

یہ بات بھی ذہن نشیں رہے کہ عامۃ المسلمین کے لئے بطورِ خود مذاہبِ اربعہ میں سے مختلف مذاہب کے احکام پر عمل کرنا جائز و درست نہیں کیونکہ اس سے اتباعِ نفس اور ہوا و ہوس کی پیروی کا ایسا دروازہ کھُل جائے گا جس کو آئندہ چل کر بند کرنا مشکل ہوگا جس کا مشاہدہ آج کل بھی مغرب زدہ ماحول میں ہو رہا ہے اور یہی بے راہ روی آگے چل کر دین سے دوری اور دہریّت سے قریب کر دے گی۔

ہاں بوقتِ ضرورت و حاجت عوام ایسے مسائل میں اربابِ افتاء یا ناقلِ افتاء کی طرف رجوع کر سکتے ہیں اور ان کے فتاوی کے مطابق عمل کر سکتے ہیں اگرچہ وہ فتاوے ظاہر مذہب کے خلاف معلوم ہوتے ہوں۔

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی عقد الجید ص۷ میں فرماتے ہیں

"لانّ العامی یجب علیہ تقلید العالم اذا یعتمد علیٰ فتواہ فکان معذورًا فیما صنع وان کان المفتی مخطأً فیما افتیٰ" اس لئے عامۃ المسلمین پر عالِم کا اتباع واجب ہے اور جب وہ عالِم کے فتوے پر اعتماد کرتا ہو تو وہ اپنے عمل میں معذور ہے۔ اگرچہ مفتی نے اس فتویٰ میں غلطی کی ہو۔

پھر اس امر کی وضاحت خود شاہ صاحب مذکور نے یوں فرمادی،

"اعلم ان العامی الصرف لیس لہ مذھب معین وانما مذھبہ فتوی المفتی" کہ خبردار ہوجاؤ کہ عامیِ محض کا کوئی خاص مذہب نہیں ہوتا بلکہ اس کا مذہب تو مفتیِ معتمد کا قول ہوتا ہے۔

مفتی اپنے مذہب سے کب عدول کرسکتا ہے

مفتی و فقیہہ یا ناقل کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ اگر وہ مذاہب اربعہ میں سے ضرورتًا اپنے مذہب سے عدول کرتے ہوئے کسی دوسرے مذہب پر فتویٰ دینا چاہے تو وہ مندرجہ ذیل بنیادی شرطوں کو ملحوظ رکھے۔

اس کا مقصد ہوا و ہوس یا خواہشِ نفس کی تکمیل نہ ہو۔

مخلص ہونے کے باوجود رخصت کی تلاش و جستجو نہ کی جائے کہ اس سے غیر مخلص اور ہوا پرستوں کو شہ ملے گی اور رخصتوں کو ڈھال بناتے بناتے حدودِ عزیمت سے نکل جائیں گے اور شریعتِ مطہرہ ایک بازیچۂ اطفال بن کر رہ جائے گی۔

اپنی فقہ اور جس مذہب میں عدول کر رہا ہے اس کی فقہ کی تفصیلات سے واقفیت ہو۔

کسی ایسی رائے کو اختیار نہ کرے جو نصِّ قطعی، اجماع، قواعدِ مسلّمہ اور قیاسِ جلی کے خلاف ہو۔

مفتی اور عرف و عادت وغیرہا

جو مسائل احوالِ زمانہ یا عرف و عادت یا پھر ضرورت و حاجت وغیرہا سے متعلق ہوتے ہیں ان میں تغیّرات کا واقع ہونا فطری امر ہے جس کا انکار

نہیں کیا جاسکتا اور نہ ہی کوئی مفتی اس سے چشم پوشی کرکے اپنی ذمّہ داری سے عہدہ برآ ہوسکتا ہے۔ اسی لئے حضرات فقہاء کرام نے اس کی جانب خصوصی توجہ دی اور مفتیوں کو متنبہ فرمایا "من لم یعرف اھل زمانہ فھو جاھل" کہ جو اہل زمانہ کے عرف وعادت سے باخبر نہ ہو وہ مفتی نہیں جاہل ہے۔ عمدۃ المتأخرین حضرت علاّمہ شامی فرماتے ہیں " لیس للمفتی ولا للقاضی ان یحکم علیٰ ظاھر المذھب ویترک العرف (رسائل ابن عابدین ص۱۲۹/۲) کہ عرف وعادت اگر متقاضی ہو پھر بھی اس سے چشم پوشی کرکے ظاہر مذہب کے مطابق حکم لگانا منصب قضاء و افتاء کے خلاف ہے۔

ایک مفتی وقاضی کا احوالِ زمانہ اور عرف وعادت وغیرہا سے واقف ہونا اس لئے ضروری ہے کہ بہت سے احکامِ شرعیّہ جو مستقل حیثیت کے حامل ہیں وہ اپنے زمان ومکان اور وہاں کے عرف وعادت پر مبنی ہیں۔ ایسی صورت میں ظاہر الروایۃ کو پیش کرنا اور عرف وعادت کو پسِ پشت ڈال دینا یا تغیّرات زمان ومکان کو قابلِ اعتنا نہ سمجھنا دین ودیانت مذہب ومسلک اور منصبِ قضا وافتاء کے تقاضوں کے خلاف ہے۔

عُرف وعادات کی تعریف

علماءِ اصول کے نزدیک عرف کی تعریف یہ ہے "کہ عقلی طور پر جو بات دل میں جاگزیں ہوجائے اور طبعِ سلیم اسے قبول کرلے وہ عُرف ہے خواہ اس بات کا تعلّق کسی قول سے ہو یا عمل سے"۔

اس جامع تعریف سے اُس غلط اور ناپسندیدہ عُرف کا اعتبار ختم

ہوجاتا ہے جسے عقل و طبع اور ذوقِ سلیم گوارہ نہ کرے جیسے موجودہ دور میں گاجے باجے، ناچ ورنگ، شراب و دیگر منشیات اور مختلف طرز کے گناہوں کا عام ہوجانا اور اسی طرح عریانیت و بے ستری، ٹی وی بینی و لوٹری بازی اور دیگر فسق و فجور کا تہذیب نو اور روشن خیالی کے نام پر نہایت جرأت و بیباکی کے ساتھ ارتکاب وغیرہ۔ (دفع الحرج ص۳۱۹)

بعض اہلِ اصول کا خیال ہے کہ عرف و عادت کا مفہوم ایک ہی ہے۔ کیونکہ یہ دونوں اپنے نتائج و اثر انگیزی میں یکساں ہے۔ لیکن اکثر علماءِ اصول کا یہ کہنا ہے کہ عرف و عادت میں افراد و جماعت کا فرق ہے یعنی عادت کا تعلق فرد اور اس کے مزاج و حالات سے ہوتا ہے جبکہ عرف کا تعلق جماعت و معاشرہ سے ہوتا ہے۔

عُرف کی قسمیں

علماءِ اصولیین نے عرف کی متعدد قسمیں بیان کی ہیں جیسے عرفِ قولی، عرفِ عملی، عرفِ عام، عرفِ خاص وغیرہا۔ مذکورہ عرفوں کی مثال علی الترتیب یہ ہے مثلاً نقد کا معنی، مزدوروں کے لئے آرام کے وقت کا تعین، مہر کا کل یا بعض حصہ مؤخر کردینا، کس پیشہ میں کون سی چیز یا بات عیب ہے کون سی نہیں۔

عُرف کی اہمیت

فقہ کے بے شمار مسائل چونکہ عرف و عادت کے مطابق حل کئے گئے، حل کئے جاتے ہیں اور حل کئے جائیں گے۔ لہذا مفتی و فقیہ اور قاضی پر

ضروری ہے کہ ان اصولوں کو نہ صرف ملحوظ بلکہ محفوظ رکھے۔

① حضرت علّامہ امام سرخسی علیہ الرحمہ نے مبسوط میں فرمایا " الثابت بالعرف کالثابت بالنصّ" جو بات قولی یا عملی یا عام وخاص عرف سے ثابت ہوجائے گویا وہ نصّ شرع سے ثابت ہے ② الاشباہ والنظائر میں عرف وعادت سے متعلق جو اصول بیان کئے گئے ہیں وہ حضرات علماء کرام کی زبان زد ہیں مثلاً الثابت بالعرف ثابت بدلیل شرعیّ جو بات عرف سے ثابت ہے وہ دلیلِ شرعی سے ثابت ہے ③ العادۃ محکمۃ عادت محکم ہے ④ العرف فی الشرع معتبر شریعت میں عُرف کا اعتبار ہے ⑤ لاینکر تغیّر الاحکام بتغییر الازمان زمانوں کے بدلنے سے احکامِ شرع میں تبدیلی کا انکار نہیں کیا جائے گا ⑥ اختلف المسائل باختلاف المکان والزمان مکان وزمان کے بدلنے سے احکامِ شرع بدل جاتے ہیں ⑦ المعروف عرفاً کالمشروط شرطاً جو بات عرف کی وجہ سے مشہور ہوچکی ہو وہ شرط کے ذریعہ مشروط ہی کی طرح ہے ⑧ استعمال النّاس حجّۃ یعمل بھا لوگوں کا تعامل حجّت ہے اور تعامل پر عمل کیا جائے گا۔

عرف وعادت سے متعلق الفروق ص۱۷۷،۱۷۶ میں ہے کہ اسلاف کے کتبِ فتاوٰی بلکہ کتبِ شروح میں جو باتیں درج ہیں ان پر عمر بھر جمے نہ رہو اگر ان کا تعلق عرف وعادت یا احوالِ زمانہ کے تغیّر وتبدّل سے ہے۔۔۔اگر تمہارے پاس کسی دوسرے علاقہ کا آدمی آئے اور تم سے فتوٰی پوچھے تو اپنے شہر یا علاقہ کے مطابق فتوٰی مت دو بلکہ سائل کے عرف کو دریافت کرو اور اسی کا لحاظ کر کے اس کے مسئلہ کو حل کرو۔

امام المتأخرین علّامہ ابن عابدین شامی نے زور دیتے ہوئے فرمایا "حاکم (مفتی وقاضی) کو کلّی واقعات کے احکام کے بارے میں تفقّہ کا حاصل ہونا ضروری ہے تاکہ وہ لوگوں کے حالات وحقائق کا ایک دوسرے سے موازنہ کرسکے۔ نیز سچ اور جھوٹ کے درمیان خطِ امتیاز کھینچ کر حقیقتِ امر کے بارے میں ضروری حکم صادر کرے۔ تاکہ وہ حکم حقیقت کے خلاف جاری نہ ہونے پائے۔" (رسائل)

مفتی فتویٰ دینے سے پہلے اہلِ زمانہ کے احوال کا بنظرِ غائر مطالعہ کرے اور یہ دیکھے کہ اس کے فتوے کا تعلّق کسی عرف سے تو نہیں ہے اگر کسی عرف سے ہے تو عرف کے اقسام کا تجزیہ کرے اور سوال جس عرف پر منطبق ہو جواب میں اس کی رعایت ملحوظ رکھے نیز اس سوال کے تعلّق سے نصوصِ شرعیہ بھی مستحضر رہے تاکہ نصّ کا خلاف لازم نہ آئے۔

(اصول الفقہ، ابو زہرہ)

عُدول عنِ المذہب کی کچھ اور شرطیں

مذہب سے عدول کی چار بنیادی شرطیں بیان کی جاچکی ہیں لیکن ایک فقہ سے دوسرے فقہ یعنی ایک مذہب سے دوسرے مذہب کی طرف عدول نہایت ہی نازک مسئلہ ہے اس لئے میں چاہتا ہوں عدول عن المذہب کی کچھ اور شرطوں کو بیان کردوں تاکہ اس میدان میں کوئی سرپٹ گھوڑا دوڑا کر کسی کھائی میں نہ جا پڑے اور اپنے ساتھ اپنی قوم کو بھی نہ لے ڈوبے۔

اَعَاذَنَا اللّٰہُ تَعَالیٰ وَاِیَّاکُمْ مِنْہُ

⊘ اسبابِ ستّہ میں سے کسی سبب کی وجہ سے عدول عنِ المذہب ایسے ہی

امور میں معتبر ہے جن میں نصّ موجود نہ ہو اور اگر حرج و مشقّت کے خلاف نصّ موجود ہو تو حرج و مشقت کا کوئی اعتبار نہیں۔ ہاں اگر نصّ کے عموم میں تخصیص یا استثناء فقہاء مذہب کے نزدیک موجود ہے تو مفتی و قاضی کو اس کی طرف رجوع کرنا چاہیئے۔ الاشباہ والنظائر میں ہے "المشقه والحرج انما یعتبران فی موضع لا نصّ فیه واما مع النصّ بخلافه فلا"۔

◐ عدول کی صورت میں بھی حتی الامکان اختلافِ ائمّہ بلکہ اختلافِ فقہاء و علماء یعنی تلفیق کی درست و نادرست دونوں صورتوں سے بچا جائے کیونکہ خروج عن الاختلاف کا مستحب ہونا علماءِ اصول کے نزدیک مسلّم ہے۔

◐ جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا کہ مفتی و قاضی کو صاحبِ عدالت ہونا چاہئے خصوصًا جب عدول عنِ المذہب کی نوبت آجائے تو وہ تقویٰ و پرہیزگاری کے ساتھ احتیاط و دیانت کو پیشِ نظر رکھیں۔ (شرح المہذب للامام النووی)

◐ عدول کی صورت میں کسی پیش آمدہ مسئلہ کو انفرادی طور پر حل کرنے کی بجائے اجتماعی طور پر خوب غور و فکر اور بحث و تمحیص کے بعد حل کرنا صواب سے زیادہ قریب ہوگا اور زلّت و لُغزش سے بھی بچا جا سکتا ہے۔ پھر جو فیصلہ اجتماعی طور پر ہو جائے حضرات مفتیانِ کرام، قضاۃ عظام کو چاہئے کہ اسی فیصلہ کو اختیار فرمائیں اور اپنی ذاتی رائے کو اس میں دخل نہ دیں۔

◐ مفتی و قاضی کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ ضررِ عام کو دفع کرنے کے لئے ضررِ خاص کو برداشت کرے یعنی اجتماعی و جماعتی مفاد پر انفرادی و شخصی مفاد کو قربان کر دے۔ ھٰکذا فی الاشباہ ص۵۶ "یتحمل الضرر الخاص لاجل دفع ضرر العالم"۔

◐ یہ بات ہمیشہ پیشِ نظر رہے کہ اسبابِ ستّہ میں سے کسی سبب کے متحقق

ہوئے بغیر قولِ مرجوح یا قولِ ضعیف پر فتویٰ دینا درست اور امت کے حق میں مفید نہیں ہوگا۔ دوسرے لفظوں میں یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ نصوصِ مذہب کے خلاف کوئی فتویٰ اس وقت تک قابلِ قبول و عمل نہیں ہوسکتا جبتک اسبابِ ستّہ میں سے کوئی سبب متحقق نہ ہوجائے۔

اسبابِ ستّہ

احکامِ شرع میں تغیّر و تبدّل جن سببوں سے ہوسکتا ہے وہ کم وبیش چھ ہیں جنہیں اسبابِ ستّہ کہا جاتا ہے۔ فقہاء متاخرین کے نزدیک تغیّر احکام یا عدول عن المذہب کی صورت میں ان اسباب کو بنیادی حیثیت حاصل ہے۔ مجددِ اعظم اعلیٰحضرت فاضل بریلوی قدس سرّہٗ "اجلی الاعلام" میں فرماتے ہیں۔۔۔۔ چھ باتیں ہیں جن کے سبب قولِ امام بدل جاتا ہے۔ لہٰذا قولِ ظاہر کے خلاف عمل ہوتا ہے اور وہ چھ باتیں یہ ہیں: ضرورت[۱]، دفع حرج[۲]، عرف[۳] تعامل[۴]، دینی ضروری مصلحت[۵] کی تحصیل، کسی فساد موجود[۶] یا مظنون بظنّ غالب کا ازالہ۔"

اسباب مذکورہ میں اجمالاً اگرچہ وہ تمام اسباب آگئے ہیں جن کی وجہ سے احکامِ شرع میں تبدیل و تغیّر واقع ہوتی ہے لیکن بعض علماء کرام نے ان کی تفریع دوسرے لفظوں میں بھی کی ہے جن سے معلوم ہوتا ہے کہ اسبابِ مذکورہ کے علاوہ کچھ اور اسباب ہیں جو تغیّر احکام کے طالب ہیں۔

ضرورت کی تعریف

اسبابِ ستّہ مذکورہ میں سے بعض کی تعریف و تفریع اور اہمیت بیان

کی جا چکی ہیں۔ اب ضرورت کی تھوڑی سی وضاحت ضروری ہے تاکہ ضرورت سے متعلق اصطلاحِ عوام اور اصطلاحِ شرع میں امتیاز ہو جائے۔ ضرورت سے مُراد نہ وہ اضطرار ہے جس کو بعض فقہاء نے حاجت و تحسین کے مقابلہ میں استعمال فرمایا ہے اور نہ وہ ضرورت ہے جو اصطلاحِ عوام میں مشہور ہے۔ بلکہ ضرورت شرعی کی تعریف اصولِ فقہ کی کتابوں میں منتشر ہے جس کی تفصیلی معلومات کے لئے حضراتِ مفتیانِ کرام کو ان کتبِ اصول کی غوّاصی کرنی چاہیئے۔

ضرورت سے مُراد بیش از بیش مشقّت ہے، جس میں اصطلاحی اعتبار سے ضرورت وحاجت دونوں داخل ہیں۔ پھر ضرورت میں بھی ضرورتِ عامّہ، ضرورتِ خاصّہ دونوں صورتوں میں مختصر اختلافات کے ساتھ عُدول عن المذہب کی گنجائش ہے۔ اسی طرح عبادات ومعاملات دونوں میں ضرورت کی بناء پر عدول جائز ہے لیکن عبادات میں معاملات کے مقابل عدول کے کم مواقع ہیں۔

ضرورت وحاجت کی تعریف میں بہت ہی کم مغائرت ہے۔ ضرورت کے لئے مجبوری ضروری ہے جبکہ حاجت کے لئے مجبوری نہیں بلکہ رفعِ تنگی اور وسعت درکار ہے۔

درر الاحکام ص۳۴ میں ضرورت کی تعریف اس طرح ہے "۔۔۔الضرورۃ ھی الحاجۃ الملجئۃ لتناول الممنوع شرعًا" کہ ضرورت ایسی حالت (حاجت) ہے کہ انسان شرعی طور پر حرام وممنوع چیز کے استعمال پر مجبور ہو جائے۔

اور حاجت کی تعریف یہ ہے "مایحتاج الیہ من حیث التوسّعۃ

ورفع الضّیق" کہ حاجت وہ ہے کہ وسعت کی حد تک تنگی کا ازالہ ہو۔
چونکہ ضرورت وحاجت میں کچھ نہ کچھ مغائرت ہے لہذا یہ بات یقینی ہے کہ جو رخصتیں ضرورت کی وجہ سے مل سکتی ہیں وہ حاجت کی وجہ سے نہیں۔ اس کے باوجود بہت سے مسائل ایسے ہیں جہاں حاجت (خاص طور پر عمومی حاجت) کو ضرورت کا درجہ دیدیا گیا ہے اور اس کی وجہ سے احکامِ شرعیّہ میں بندوں کے لئے تخفیف کی گئی ہے۔ مثلاً بعض عقود و معاملات جو اصل کے لحاظ سے جائز نہیں ہونے چاہئیں لوگوں کی حاجت کے پیشِ نظر جائز قرار دیئے گئے ہیں جیسے بیعِ سلم، اجارہ، وصیّت وغیرہا۔ اسی طرح جو چیز موجود نہیں ہے اس کی بیع وشراء پر عقد اصولاً جائز نہیں ہے لیکن فقہاء نے عقد استصناع (آرڈر دیکر مال تیار کرانا) کو جائز کہا ہے۔ اور اسی قبیل سے بغرضِ علاج نامحرم کا جسم دیکھنا اور احیاناً اس کا چھونا بھی ہے بشرطیکہ قدرِ حاجت سے تجاوز نہ کرے۔
مذکورہ تمام حاجتیں بر سبیلِ تنزّل ضرورت کے دائرہ میں داخل ہیں جس کی تعبیر علماءِ اصول نے "الحاجۃ تنزل منزلۃ الضرورۃ" سے کی ہے۔

ضرورت کی وجہ سے آسانی کی راہیں

ضرورت وضرر اور حاجت وغیرہ کی وجہ سے آسانی واباحت کی شرعی راہیں ہموار ہوتی ہیں چنانچہ کتبِ اصول میں علماءِ اصول نے اس قاعدہ کی طرف خاصی توجّہ دی ہے۔ فرماتے ہیں: "الضررُ یُزال[۱] ضرر کو دور کیا جائے گا، الضرورات[۲] تبیح المحظورات ضرورت کے وقت ممنوع (حرام) چیزیں مباح ہو جاتی ہیں، یرتکب اخفّ الضررین[۳] لدفع اعظمہما

دو ضرورتوں میں سے آسان کو اختیار کیا جائے گا بڑے ضرر سے بچنے کے لئے'
یتحمّل الضرر الخاص لدفع الضرر العام عام ضرر کو دُور کرنے
کے لئے خاص ضرر کو برداشت کرلیا جائے گا" علیٰ ہذا القیاس اس قسم کے
اصولی الفاظ وجمل سے اس فن کی کتابیں بھری ہوئی ہیں۔

ضروری تنبیہ :- اس سے پہلے کہ میں ضرورت وحاجت وغیرہما
کی مزید وضاحت کروں بطور تنبیہ اس بات کو واشگاف کرنا چاہوں گا کہ اس
دَورِ ہوا و ہوس اور فتنہ انگیزی کے ماحول میں مذاہب اربعہ سے عدول اور
مذہب غیر منضبط کی طرف رجوع مزید فتنوں کے دروازوں کو کھولنا ہو گا جو
کسی طرح مناسب نہیں ہے۔ کیونکہ ائمہ اربعہ کے مذاہب کے علاوہ کسی اور
امام کا مذہب۔ منفرد وغیر منضبط ہونے کی وجہ سے لائقِ تقلید نہیں جیسا کہ
امام ابن ہمّام نے التقریر التحبیر جلد ثالث میں اور شاہ ولی اللہ صاحب
دہلوی نے الحجۃ اللہ البالغہ میں فرمایا؛

اسلاف کرام نے آسانی کی راہیں ہموار فرما کر اپنے اخلاف کو شترِ بے مہار
بننے کی دعوت نہیں دی ہے بلکہ اس کے لئے انہوں نے جا بجا تقییدی وتحدیدی
مہمیز بھی لگائی ہے۔ فرماتے ہیں" الضرورۃ تقدر بقدر ہا کہ ضرورت کا
لحاظ بقدر ضرورت ہی ہو گا"۔

درحقیقت یہ قاعدے اور اصول وضعی نہیں اور نہ ہی علماء اصولیین کے
ذہن وفکر کی اپج ہے۔ بلکہ کتاب وسنّت کے احکامِ مختلفہ کو اگر بنظر غائر دیکھا
جائے تو یہ سارے اصول اسی کا عطر مجموعہ ہیں۔ ہاں اگر کسی خاص مسئلہ اجتہادی
میں مشقّت وحرجِ شدید واقع ہو جائے تو جیسا کہ پہلے میں نے عرض کیا کہ اربابِ
افتاء (فقیہہ وراسخ العلم) حضرات اپنے اجتماعی فیصلے کے ذریعہ ایسی رائے سے

فائدہ اٹھا سکتے ہیں جو سلفِ صالحین میں سے کسی مقبول و معتبر شخصیت کی رائے ہو اور اس صورتِ حال میں جو فیصلہ ہوگا وہ دراصل عدول نہیں بلکہ اصول پر مبنی ہو کر اصل مذہب ہی کے دائرہ میں رہے گا۔

ضرورت و حاجت کی مزید توضیح

اب یہ دیکھنا ہے کہ وہ کیا حالات ہیں یا مجبوریاں ہیں جن کو ہم ضرورت سے تعبیر کر سکتے ہیں۔ اس سلسلہ میں علامہ قرطبی نے "الجامع لِاحکام القرآن" میں جو نشاندہی کی ہے غالباً وہ کافی ہے۔ فرماتے ہیں:

① الاضطرار الی تناول المحرم من طعام او شراب حرام کھانے پینے کی چیزوں کے استعمال پر مجبور ہو جانا۔

② الاضطرار الی اللمس والنظر والتداوی کسی چیز کے چھونے دیکھنے یا دواءً استعمال کرنے پر مجبور ہونا یا مجبور کیا جانا۔

③ الضرار الی اتلاف النفس اپنی جان کو ہلاک کرنے پر مجبور کیا جانا۔

④ الضرار الی فعل فاحش کسی گناہ کبیرہ کے کرنے پر مجبور کیا جانا۔

⑤ الضرار الی اتلاف مال الغیر او اخذ کسی غیر کے مال کو برباد کر دینے یا چھین لینے پر مجبور کیا جانا۔

⑥ الضرار الی القول الباطل کسی ناحق بات کے کہنے پر مجبور کیا جانا وغیرہا۔ ضرورت و مجبوری کی مذکورہ صورتوں میں سے اگر کوئی ایک صورت متحقق ہو جائے تو احکامِ شرع بدل سکتے ہیں یا مخصوص احکام دیئے جا سکتے ہیں۔

مذکورہ مجبوریوں کے علاوہ کچھ اور بھی مجبوریاں ممکن ہیں مثلاً قتلِ مسلم کا

حکم جس کی حرمت نصِّ قطعی سے ثابت ہے تو ایسی مجبوریوں کی وجہ سے احکامِ شرعیّہ میں کوئی تبدیلی یا تخصیص نہیں ہوگی اور اس قسم کی مجبوریوں کا ادراک ایک مفتی و قاضی کے لئے نہایت ضروری ہے تاکہ وہ جان سکے کہ کون کون یا کس قسم کی مجبوریاں تسہیل و تیسیر کو چاہتی ہیں اور کون کون سی نہیں۔

ضرورت و حاجت کے ساتھ رخصت کی تعریف و تحدید بھی ضروری ہے

پہلے اس حقیقت کا اظہار ہے کہ شریعت کے احکام ۲ طرح کے ہوتے ہیں عام جس میں کوئی متعیّن شخص یا خاص حالت و وقت ملحوظ نہ ہو۔
خاص یعنی وہ احکام جو کسی انتہائی مجبورکن حالات اور مخصوص پسِ منظر میں عام اصول و قاعدے سے الگ ہوتے ہیں ان میں عموم نہیں ہوتا۔
علّامہ شاطبی نے اپنی کتاب الموافقات ص۱، ۳۰۰-۳۰۱ میں لکھا ہے "الاحکام الشرعیۃ نوعان احکام کلیہ شرعت ابتداء ولا تختص ببعض المکلفین من حیث ھم مکلفون دون بعض۔ واحکام شرعت لعذر شاق استثناء من اصل کلّی یقتضی المنع مع الاختصار علیٰ موضع الحاجۃ فیہ"۔ اور اس قاعدہ کلّیہ کی تائید و توثیق سورہ بقرہ آیت ۱۷۳ (اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ الآیہ) اور سورہ انعام کی آیت ۱۲۰ قَدْ فَصَّلَ لَكُمْ مَا حَرَّمَ عَلَيْكُمْ اِلَّا مَا اضْطُرِرْتُمْ اِلَيْهِ سے ہوتی ہے۔

حضرت ابوبکر جصّاص رازی علیہ الرحمہ نے بھی اصول مذکور کی تائید اس طرح فرمائی ہے "فاقتضیٰ ذلك وجود الاباحۃ بوجود الضرورۃ فی کل حالٍ وجدت الضرورۃ فیھا" (الاحکام القرآن ص۱۴۷) قاعدہ مذکورہ کا

تقاضہ یہ ہے کہ جن جن حالات میں ضرورت پائی جائے گی وہاں وہاں اباحت بھی پائی جائے گی۔ اسی لئے فقہاء کرام اور علماء اصولیین فرماتے ہیں کہ "آسانی کے لئے مشکل حکم چھوڑنا اصلِ دین ہے"۔ علّامہ امام سرخسی فرماتے ہیں "ترک العسر لليسر اصل الدين" (المبسوط ص ۱۴۵/۱۴) پھر اس قاعدہ کلّیہ مذکورہ کی تائید و توثیق اُن احادیثِ نبویّہ سے بھی ہوتی ہے جن میں فرمایا گیا "بعثتم میسرین ولم تبعثوا معسرین" تم لوگ آسانی مہیّا کرنے کے لئے بھیجے گئے ہو دشواری کے لئے نہیں۔ "بعثتُ بالحنفية السمحة" میں اُس دینِ حنیف کے ساتھ بھیجا گیا ہوں جس میں وسعت و استقامت ہے۔

صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کا اس امر پر اجماع ہے کہ حضور انور شفیعِ محشر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم کو جب بھی دو امروں میں اختیار دیا جاتا تو آپ ان میں سے آسان کو اختیار فرماتے "ماخیّر بين امرين الا اختيار ايسرهما مالم يكن ماثمًا" ہاں اگر وہ آسان صورت معصیّت یا معصیّت سے قریب ہوتی تو آپ اسے ہرگز اختیار نہیں فرماتے۔

رخصت

رخصت کے ضمن میں آنے والے مسائل کی حیثیت اضافی ہوتی ہے۔ اسی لئے کسی مفتی و فقیہہ کا ایسا خط کھینچ دینا ممکن نہیں ہے۔ جہاں سے ہر شخص کے لئے رخصت سے استفادہ کی گنجائش نکل آئے۔ بلکہ معاملہ مبتلیٰ بہ کی انفرادی حالت، عزم وہمّت اور قوّت برداشت پر مبنی رہتا ہے۔

حضرت امام شاطبی فرماتے ہیں، "انّ الرخص الشرعيّة علىٰ تضافر ادلتها اضافيّة اى كل احد من المكلفين ففيه نفسه فى الأخذ بها

اوفی عدمہ" (الموافقات ص ۱۵۵/۱) یعنی رخصتِ شرعی اپنے دلائل کی وسعت کے لحاظ سے اضافی ہیں۔ اور ہر مکلّف ان رخصتوں کو اختیار کرنے اور نہ کرنے کے سلسلہ میں اپنی ذات کے حق میں مفتی ہے۔

علّامہ شاطبی نے اپنی اسی کتاب میں دوسری جگہ اسی امر کی یوں وضاحت کی "فربّ مریضٍ یقوی من مرضہٖ علیٰ مایقوی علیہ الآخر فتکون الرخصہ مشروعۃ لاحد المریضین دون صاحبہ"۔

بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ ایک مریض دوسرے مریض کے مقابلہ میں زیادہ طاقتور ہوتا ہے تو ایسی صورت میں رخصتِ شرعی پر عمل کرنا ان دونوں میں سے صرف ایک مریض کے لئے جائز ہوگا۔

ان نظائر سے معلوم ہوتا ہے کہ رخصت کی اجازت عمومی طور پر نہیں دی جاسکتی بلکہ مبتلیٰ بہ کے حالات، عزم و ہمّت اور قوّتِ برداشت کو دیکھتے ہوئے مفتی حاذق کسی خاص فرد کو رخصت دے سکتا ہے۔ اور اس کا یہ متضاد حکم (جو صرف ظاہر میں ہے) شریعت کے خلاف نہیں بلکہ اصولِ شرع پر مبنی ہوگا۔

رخصت کے سلسلہ میں یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ بغیر کسی معقول و معتبر وجہ کے محض تسہیل اور ہوائے نفس پر عمل کرنے کے لئے فقہی رخصتوں کی تلاش تدیّن کے خلاف اور ناجائز ہی نہیں بلکہ تکالیف شرعیّہ سے راہِ فرار اختیار کرنا، فرض منصبی کی ادائیگی سے بھاگنا، اوامر و نواہی کی عزیمتوں کو منہدم کرنا، حقّ اللہ سے پہلو تہی، حقّ العباد کو توڑنا اور سب سے بڑھ کر مقصدِ شارع کے خلاف ہے اس لئے مفتیوں پر نہایت ضروری ہے کہ وہ رخصت کے بارے میں نہایت محتاط رہیں اور فتوی دینے سے پہلے خوب غور و فکر سے کام لے لیں۔

وباللہ التوفیق

بعض اصول کلّیہ معہ امثال

حضرات مجتہدینِ عظام اور ماہرین علم فقہ نے قواعد وضوابطِ فقہیہ اور اصولِ کلّیہ کے طور پر سیکڑوں ایسے اصول کی نشاندہی فرمائی ہے جن کے ذریعہ سے ہر اس نومولود اور مسائلِ محدثہ کا حکم شرعی معلوم کیا جاسکتا ہے جس پر کوئی نصِّ شرعی موجود نہیں ہے یا جس کا ذکر کتبِ فقہیہ اور فتاوائے سابقہ میں نہیں ملتا ہے، بایں ہمہ ہر مفتی کے پیشِ نظر افتاء کا یہ اصول بھی رہنا چاہئے کہ نصوصِ شرعیہ (ادلّۂ اربعہ) سے صَرف کرکے صرف قواعد فقہیہ اور اصول کلیّہ سے حکمِ شرع بیان کرنا اتباع نفس بلکہ جہالت ہے جو فقہاء کرام کے نزدیک ناجائز وحرام ہے۔

حضرات مفتیانِ عظام خصوصًا وہ علماء کرام جو افتاء کی تربیّت سے اپنے آپ کو مزیّن فرمارہے ہیں ان کی ذمّہ داری ہے کہ وہ ہر نومولود (مسائلِ محدثہ) کا حکم کتاب وسنّت، اجماعِ صحابہ اور قیاسِ مجتہدین سے بیان فرمائیں اور اگر اِن ادلّۂ شرعیہ سے پیدا ہونے والے مسائل کا حل ممکن نہ ہو تو اصول کلّیہ قواعد فقہیّہ کی طرف نہایت غور وفکر کے ساتھ نظر کریں اور جس اصول کے ماتحت وہ نئے مسائل حل ہوسکتے ہیں اس سے فائدہ حاصل کرنے کی کوشش کریں ایسی صورت میں اگر احیانًا خطا بھی واقع ہوجائے گی تو مجیب اپنی مخلصانہ سعی کے مطابق ایک ثواب کا مستحق ہوگا۔

قبل ازیں بعض اصول کلّیہ کی نشاندہی کی جاچکی ہے اب بعض مزید اصول کلّیہ کو یہاں اجمالی تعارف کے ساتھ بیان کیا جاتا ہے تاکہ تربیّتِ

افتاء سے تعلّق رکھنے والے حضرات کے لئے سہولت کا سبب ہو بقیہ اصول کلّیہ معلوم کرنے کے لئے انہیں رسائل ابن عابدین رسم المفتی، عقود دریہ اور فتاویٰ رضویہ کا بالخصوص مطالعہ کرنا چاہیئے۔

اصول ①: "لَا ثَوَابَ اِلَّا بِالنِّیَّۃِ" (رسم المفتی)

یہ قاعدۂ فقہیہ یا اصول کلّیہ تمام اعمال و افعال پر حاوی ہے کیونکہ کوئی بھی عامل و فاعل اگر اپنے فعل و عمل میں اخلاص نیت نہیں رکھتا تو وہ ماجور و مثاب نہیں ہوگا بلکہ بسا اوقات اچھی نیّت کے بغیر اچھے اعمال و افعال بھی زجر و عتاب کی طرف کھینچ لے جاتے ہیں۔

اور یہ اصول کلّی حدیث پاک سے ماخوذ ہے جس میں ارشاد گرامی ہوا "انّما الاعمال بالنیّات الخ" کہ عملوں کا ثواب نیّتوں پر موقوف ہے۔

------ یہاں یہ بات بھی ذہن نشیں ہونی چاہیئے کہ بعض عبادات عباداتِ مقصودہ ہے جیسے نماز، روزے، حج و زکوٰۃ۔ اور بعض عبادات غیر مقصودہ ہیں جیسے وضو، غسل وغیرہما، تو جو عبادت عبادتِ مقصودہ ہے وہ بغیر نیّت کے صحیح ہی نہیں ہوگی اور جو عبادت عبادتِ غیر مقصودہ ہے وہ بغیر نیّت کے صحیح تو ہو جائے گی مگر اس پر ثواب نہیں ملے گا۔ گویا عبادتِ مقصودہ کی صحت اور عبادتِ غیر مقصودہ کا استحقاقِ ثواب نیّت پر موقوف ہے۔

یہ قاعدہ کلّیہ بے شمار نومولود مسائل کا حل ہے اور اسی سے اشیاء مباحہ کے جواز و عدم جواز، ثواب و عدمِ ثواب متعلّق ہے۔

(۲) اصول؛ "اَلْاَصْلُ بَرَاءَةُ الذِّمَّةِ" (رسم المفتی)

یعنی جبتک حق اور دعویٰ بطریقِ شرع ثابت نہ ہوجائے ہر شخص بری الذّمہ ہے۔ مثلاً کسی مدعی کا یہ دعویٰ ہے کہ فلاں شخص پر میرا قرض ہے تو جبتک اس پر قرض کا ہونا دلائل شرعی کے ساتھ مدعی ثابت نہ کردے مدّعیٰ علیہ کا انکار عند الشرع قابل قبول ہوگا اور وہ بری الذمہ قرار دیا جائیگا کیونکہ یہی اصل ہے۔

(۳) اصول؛ "مَنْ شَكَّ هَلْ فَعَلَ شَيْئًا اَمْ لَا فَالْاَصْلُ اَنَّهُ لَمْ يَفْعَلْ" (رسائل)

کسی شخص کو اگر یہ شک ہوجائے کہ اس نے فلاں کام کیا ہے یا نہیں؟ تو اس میں اصل یہ ہے کہ گویا اُس نے وہ کام کیا ہی نہیں۔ مثلاً کسی نمازی کو قعدہ اخیرہ میں شک ہوا کہ یہ قعدۂ اولیٰ ہے یا قعدہ اخیرہ تو گویا اس نے قعدہ اولیٰ کیا ہی نہیں اور اسی قعدہ کو وہ قعدہ اولیٰ سمجھ کر اپنی نماز پوری کرے گا۔

(۴) اصول؛ "مَنْ تَيَقَّنَ الْفِعْلَ وَشَكَّ فِي الْقَلِيْلِ وَالْكَثِيْرِ حُمِلَ عَلَى الْقَلِيْلِ" (رسائل)

کسی کو عمل کرنے کا یقین تو ہے لیکن اس کے کم و بیش میں شک ہے کہ زیادہ سر انجام دیا ہے یا کم؟ تو اس کا عمل کم پر محمول کیا جائے گا۔ کیونکہ کم کا

تو یقین ہے (کہ اس نے عمل کیا)۔

مثلاً یہ شک ہوا کہ ارکانِ نماز میں سے فلاں رکن جس کو ہم نے ادا کر لیا ہے مگر وہ کم کیا یا زیادہ؟ تو ایسی صورت میں اگر یہ شک پہلی بار ہوا ہے تو نماز از سرِ نو پڑھے۔ اور اگر ایسا خیال اکثر گزرتا رہتا ہے تو تحرّی کرے ورنہ اس رکن کو اقل قرار دے کر نماز پوری کرے۔ یہ اس حال میں ہے جب کہ نمازی کو حالتِ نماز میں یہ شبہہ گزرا ہو اور اگر نماز سے فارغ ہونے کے بعد یہ خیال آیا تو اس وسوسہ کا کوئی اعتبار نہیں نماز پوری ہو گئی۔

اصول ⑤: "اَلْاَصْلُ الْعَدَمُ فِی الصِّفَاتِ الْعَارِضَۃ"

(فتح القدیر)

صفت اگر عارضی ہے تو اس کی اصل عدم (نہ ہونا) ہے مثلاً ایک شخص نے بیچنے والے سے اس شرط پر غلام خریدا کہ وہ خبّاز (روٹی پکانے والا) ہے پھر مشتری نے بائع سے کہا کہ بھائی! یہ غلام تو خبّاز نہیں ہے۔ مگر بائع کہتا ہے کہ نہیں وہ تو خبّاز ہے۔ تو ایسی صورت میں مشتری کا قول مانا جائے گا کیونکہ خباز ہونا صفتِ عارضی ہے اور اس کی اصل عدم ہے۔

اصول ⑥: "اَلْاَصْلُ الْوُجُوْدُ فِی الصِّفَاتِ الْاَصْلِیَّۃ"

(فتح القدیر)

صفت اگر اصلی ہے تو اس کی اصل وجود (ہونا) ہے مگر کسی خریدار نے باندی کو اس شرط پر خریدا کہ وہ کنواری (باکرہ) ہے پھر خریدار نے اس کی بکارت کا انکار کیا اور بائع (بیچنے والا) اس کی بکارت کا مدّعی ہے تو بائع کا قول عند القضاء تسلیم کیا جائے گا۔

کیونکہ بکارت اس کی صفتِ اصلیہ سے ہے اور صفتِ اصلی کی اصل اس کا وجود ہے۔

اصول ⑦ : "اَلْاَصْلُ فِی الْاَشْیَاءِ الْاِبَاحَۃ"

(رسم المفتی عقود دریہ)

ہر چیز کی اصل اس کا مباح و جائز ہونا ہے۔ یہ اصل ائمہ احناف متقدمین و متاخرین کے نزدیک مسلّم ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ نے بھی اسے اصل تسلیم فرمایا ہے۔ امام المتاخرین علامہ ابن عابدین شامی نے اس پر تفصیلی گفتگو فرمائی ہے اور اسی اصل پر سیکڑوں مسائلِ نومولود کے جوابات کو متفرع فرمایا ہے۔

اور اس کے اصل ہونے کی دلیل یہ ہے کہ خلاقِ کائنات جل مجدہ نے ارشاد فرمایا "هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ لَکُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا ہ کہ شان و عظمت والے خدا ہی نے تمہارے لئے جو کچھ زمین میں ہے پیدا فرمایا" اس عام و مطلق ارشاد سے معلوم ہوا کہ ہر چیز کی اصل جائز و مباح ہونا ہے جبتک اس کے عدم جواز یا تحریم پر کوئی دوسرا حکم نہ ہو۔

حدیث شریف میں ہے: اَلْحَلَالُ مَا اَحَلَّ اللّٰہُ فِیْ کِتَابِہٖ وَالْحَرَامُ مَا حَرَّمَ اللّٰہُ فِیْ کِتَابِہٖ وَمَا سَکَتَ عَنْہُ فَھُوَ مَعْفُوٌّ "حلال وہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں حلال فرمادیا اور حرام وہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں حرام فرمادیا اور جن چیزوں سے سکوت فرمایا وہ مباح و معاف ہیں"۔
حدیث پاک سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جن چیزوں کے حلال و حرام کا بیان اللہ تعالیٰ نے نہیں فرمایا بلکہ سکوت فرمایا وہ جائز و مباح ہے اگر کوئی شخص اسے ناجائز و حرام

یا گناہ و معصیت کہتا ہے تو اس پر لازم ہیکہ وہ اسکے ناجائز و حرام اور گناہ ہونے کا ثبوتِ شرعی پیش کرے ورنہ نئی شریعت گڑھنے کے الزام سے اپنے آپ کو بچائے۔

کیونکہ مسکوت عنہا اشیاء کے جائز و مباح ہونے کے لئے یہ حدیثِ پاک اور آیتِ مذکورہ ہی کافی ہے۔ جب یہ بات ثابت ہوگئی کہ جن چیزوں کے بارے میں کوئی حکم نازل نہیں ہوا تو وہ آیتِ مذکورہ "هُوَ الَّذِي خَلَقَ لَكُم مَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا" کی رو سے جائز و مباح کی فہرست میں داخل ہیں اور جو اس سے تجاوز کرتا ہے وہ حدود الٰہیہ کی حدوں سے تجاوز کرتا ہے جس کی شدید ترین ممانعت قرآن پاک ہی میں موجود ہے "وَ تِلْكَ حُدُودُ اللهِ فَلَا تَعْتَدُوهَا" یعنی جو حدود اللہ تعالیٰ کے بیان فرمودہ ہیں اس سے تجاوز نہ کرو۔

یہ اصل اگر زبان زد رہے اور اس کا مفہوم ذہن نشیں رہے تو تربیتِ افتاء کا نو آموز مفتی بھی سیکڑوں مسائلِ محدثہ کا قلم برداشتہ جواب لکھ سکتا ہے اور انشاء اللہ تعالیٰ وہ خطا سے بھی محفوظ رہے گا۔

یہاں یہ امر بھی مستحضر ہونا زیادہ مفید ہوگا کہ حضور پُر نور سیّدِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم کا قول و فعل و تقریر اور صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا قول و فعل تو حجّتِ شرعیہ ہے مگر ان کا عدم قول و فعل، کسی فعل کے عدم جواز کے لئے حجّت شرعیہ نہیں۔ اور جس امر سے متعلق کوئی قول و فعل موجود نہیں وہ اسی اصل کے مطابق جائز و مباح کے خانے میں ہے اور یہ بھی پُر ظاہر کہ ہر امرِ مباح نیّتِ خیر کی وجہ سے اجر و ثواب کا مستحق ہو جاتا ہے۔

اصول ⑧ : اَلْاَصْلُ اِضَافَةُ الْحَادِثِ اِلَیٰ اَقْرَبِ اَوْقَاتِهَا (رسم المفتی)

ہر واقعہ کو اس کے قریب تر وقت کی طرف منسوب و مضاف کیا جانا اصل ہے۔ مثلاً کوئی مطلقہ عورت یہ دعویٰ کرے کہ اس کے شوہر نے اسے اپنے مرض الموت میں طلاق دی ہے اور اس مُردہ کے دیگر ورثاء کہتے ہیں کہ حالتِ صحت میں طلاق دی تھی، تو ایسی صورت میں مطلقہ مذکورہ کی بات مانی جائے گی کیونکہ اس کا قول اقرب کی طرف منسوب ہے فلہٰذا وہ فوت شدہ شوہر کا وارث ہوگی۔

اصول ⑨ : اَلْمُشَقَّةُ وَالْحَرَجُ اِنَّمَا یُعْتَبَرُ فِیْ مَوْضِعٍ لَا نَصَّ فِیْهِ (رسم المفتی)

حرج و مشقّت کا اعتبار ایسی جگہ میں کیا جاتا ہے جہاں نصّ موجود نہیں ہے یعنی جس مسئلہ میں نصّ موجود ہے وہاں حرج و مشقت کا اعتبار نہیں مثلاً حرم مکّہ کی گھاس کی وجہ سے وہاں کے باشندے یا حُجّاج کرام حرج و مشقّت میں مبتلا ہو جائیں تو اس حرج و مشقّت کی وجہ سے وہاں کی گھاس کو کاٹنا مباح نہیں ہو جائے گا کیونکہ اس کی حرمتِ قطعی پر نصّ موجود ہے۔

اصول ⑩ : کُلُّ مَا تَجَاوَزَ عَنْ حَدِّهٖ اِنْعَکَسَ اِلٰی ضِدِّهٖ (عقود دریہ)

ہر وہ چیز جو اپنی حد سے آگے بڑھ جائے وہ اپنی ضد کی طرف لوٹ جاتی

ہے اور اسی اصول کو علماء اصولیین نے اس طرح بھی بیان فرمایا "الامر اذا ضاق التسع واذا تسع ضاق" یعنی معاملہ جب تنگ ہو جائے تو وسعت ملتی ہے اور جب معاملہ وسعت رکھے تو سختی کیا جاتا ہے۔ مثلاً نماز کا وقت اگر بہت تنگ ہو جائے تو وضو کے سنن و مستحبات کو ترک کیا جاسکتا ہے۔ اور اگر تنگ نہ ہو بلکہ وقت میں گنجائش ہو تو سنن و مستحبات کی رعایت کے ساتھ وضو کیا جائے گا، ہاں سنن و مستحبات پر اضافہ جائز نہیں۔

اصول (۱۱): "اَلضَّرَرُ يُزَالُ" (رسم المفتی)

نقصان و ضرر دُور کیا جائے۔ اس قاعدہ کلّیہ کی بنیاد وہ حدیث پاک ہے جس میں ارشاد ہوا "لَاضَرَرَ وَلَاضِرَارَ فِی الْاِسْلَامِ" اس کا مطلب یہ ہے کہ کوئی مسلمان اپنے بھائی کو نہ ابتداءً ضرر پہنچائے، نہ کسی ضرر کے بدلے انتقاماً بعد میں نقصان پہنچائے۔ اس اصول اور قاعدۂ کلّیہ پر بہت سے مسائل فقہیّہ کی بنیاد ہے۔ مثلاً پڑوسیوں کو دفع ضرر ہی کے پیش نظر حقِ شفعہ حاصل ہے۔ قاضی دفع ضرر کے پیش نظر ہی تفریق زوجین یا تفسیخ نکاح کا حکم صادر کرتا ہے۔ کسی ایسی بلند جگہ پر چڑھنا جہاں سے دوسرے گھروں کی عورتوں کی بے پردگی ہونا جائز و حرام قرار پاتا ہے اور حرمت اور عدم جواز کی دلیل دفعِ ضرر ہی ہے۔

اصول (۱۲): "اَلضَّرُوْرَاتُ تُبِيْحُ الْمَحْظُوْرَاتِ" (رسم المفتی)

ضرورتیں ممنوعات کو جائز (مباح) کر دیتی ہیں۔ یہ وہ مشہور و معروف قاعدہ ہے جس کی اصل قرآن پاک کی یہ آیۃ کریمہ ہے؛

"اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِيْرِ وَ مَآ اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ"
اس قاعدہ کلّیہ کے تحت بحالت اضطرار ضرورت کے مطابق مردار و حرام اشیاء میں سے کچھ کھا پی لینا جائز و مباح ہے اور قدرِ ضرورت سے زیادہ حرام و ناجائز ہے' اسی طرح اکراہِ شرعی کی صورت میں جان بچانے کے لئے بکراہتِ قلبی زبانی طور پر کلمۂ کفر ادا کر دینا' یا وزن کی زیادتی کی وجہ سے کسی ہوائی جہاز کے گر جانے یا ڈوب جانے کا یقینی خطرہ لاحق ہو جائے تو اس کے وزن کو کم کرنے کی غرض سے دوسروں کے مال کو تلف کر دینا' اسی قاعدہ کے مطابق جائز و مباح ہے۔

(۱۳) اصول: "مَا اُبِيْحَ لِلضَّرُوْرَةِ يَتَقَدَّرُ بِقَدْرِهَا" (اصول الافتاء)

جو چیز کسی ضرورت کی وجہ سے جائز ہوتی ہے وہ بقدرِ ضرورت ہی جائز رہتی ہے۔ یہ اصول اصول ۱۲ کی وضاحت کے لئے ہے' بوقتِ ضرورت مردار کھانا بقدرِ ضرورت ہی جائز ہے یعنی صرف اس قدر کہ جان بچ جائے تو جان اگر ایک لقمہ کھانے یا ایک گھونٹ شراب پینے سے بچ سکتی ہے تو ۲ لقمہ یا دو گھونٹ کا استعمال حرام و خلافِ شرع ہوگا۔ اسی طرح بوقت ضرورت طبیب کو جائز ہے کہ مریض یا مریضہ کے پردہ کی جگہ کو بقدرِ ضرورت دیکھے۔ لہٰذا ضرورت سے زیادہ جگہ کا دیکھنا یا ضرورت سے زیادہ دیر تک دیکھنا حرام و ممنوع اور خلافِ شرع ہوگا۔

⑭ اصول: "مَاجَازَ بِعُذْرٍ بَطَلَ بِزَوَالِہٖ" (کنز)

جو چیز کسی عذر کی وجہ سے جائز ہو جائے تو عذر زائل ہونے کے بعد اس کا جواز باطل ہو جائے گا۔ مثلاً اگر کوئی شخص عذر کی وجہ سے پانی استعمال کرنے پر قادر نہ ہو تو اس کے لئے تیمّم جائز ہو جاتا ہے اور جب وہی شخص پانی کے استعمال پر قادر ہو گیا تو تیمّم کا جواز باطل ہو گیا۔

⑮ اصول: "اَلضَّرَرُ لَایُزَالُ الضَّرَرُ"

نقصان کو نقصان پہنچا کر زائل نہ کیا جائے گا۔ مثلاً ایسا شخص جو حالتِ اضطرار میں ہے وہ دوسرے ایسے شخص کا کھانا نہیں کھا سکتا جو خود بھی حالتِ اضطرار میں ہو۔

⑯ اصول: "یَتَحَمَّلُ الضَّرَرَ الْخَاصِ لِاَجَلِ رَفعِ الضَّرَرِ الْعَامِ"

اس اصول کی وضاحت کی جا چکی ہے صرف مثالوں کے ساتھ واضح کرنے کے لئے یہاں دوبارہ لکھا گیا تاکہ اچھی طرح ذہن نشیں ہو جائے۔ ہر مفتی جانتا ہے کہ ضررِ عام سے بچنے کے لئے ضررِ خاص کو برداشت کر لیا جاتا ہے۔ مثلاً اس بوسیدہ دیوار کو گرا دیا جائے گا جو راستے کی طرف جھکی ہوئی ہو اور جس کے گرنے سے راہ گیروں کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہو۔ اگرچہ اس دیوار کا مالک دیوار گرانے پر راضی نہ ہو لیکن بحکمِ قاضی وہ دیوار گرا دی جائے گی۔

اسی طرح وہ غلّہ فروش جو قحط کے زمانہ میں اس لئے غلّہ خرید خرید کر

جمع کر رہا ہے کہ مہنگا بیچے گا یا من مانا دام لے گا، تو اس کا جمع کیا ہوا غلہ جبرًا بازار بھاؤ پر فروخت کر دیا جائے گا اور اس کا استغاثہ عند القضا قابلِ سماعت نہیں ہوگا۔ اسی طرح غیر سنجیدہ اور عدیم الحیا، مفتی کو فتویٰ دینے رشوت خور قاضی کو دینی فیصلہ دینے اور مسخرہ کرنیوالے مقررین کو تبلیغ و اشاعتِ دین کے ممبر پر بیٹھنے سے روک دینا جائز ہے۔ موجودہ سیکڑوں نئے مسائل کو اس اصول پر حل کیا جا سکتا ہے۔

⑰ اصول : "مَنِ ابْتَلٰی بِبَلِیَّتَیْنِ وَھُمَا مُتَسَاوِیَّتَانِ یَأخُذُ بِاَیِّھِمَا شَاءَ وَاِنْ اِخْتَلَفَتَا یَخْتَارُ اَھْوَانَھُمَا"

اگر کوئی شخص دو مصیبتوں میں گرفتار ہو جائے اور وہ دونوں مصیبتیں برابر کی ہوں تو جس کو چاہے اختیار کرلے، اور اگر دونوں مصیبتیں نتائج کے اعتبار سے کم وبیش ہوں تو جس مصیبت میں نسبتًا کم مشقت ہو اسی کو اختیار کرے کیونکہ حرام کا ارتکاب بدرجہ مجبوری جائز و مباح کیا گیا ہے لہذا کم سے کم ہو اس لئے بڑی مصیبت کو ترک کر دے کیونکہ اس میں زیادہ حرام کا ارتکاب کرنا پڑے گا۔ مثلاً کوئی ضعیف و بیمار آدمی اگر کھڑا ہو کر نماز پڑھتا ہے تو قرأت قرآن نہیں کر سکتا اور اگر وہی بیٹھ کر نماز پڑھتا ہے تو قرأتِ قرآن کرلے گا تو ایسی صورت میں وہ بیٹھ کر نماز ادا کرے گا اور قیام کو ترک کر دے گا کیونکہ اگرچہ قیام و قرأت دونوں فرائض نماز سے ہیں مگر قیام پر قرأت کی اہمیّت واضح ہے کہ ترکِ قیام تو نوافل میں جائز ہے مگر ترکِ قرأت جائز نہیں۔

اسی طرح اگر کسی نمازی کے جسم میں زخم ہے کہ وہ اگر سجدہ کرتا ہے تو زخم بہنے

لگتا ہے اور زخم بہے گا تو وضو ٹوٹے گا جسم ناپاک ہوگا۔ اور اگر بغیر سجدہ کے نماز پڑھتا ہے تو نہ زخم بہتا ہے نہ جسم ناپاک ہوتا ہے نہ وضو ٹوٹتا ہے تو ایسی صورت میں وہ بغیر سجدہ کے اشارہ سے نماز پڑھے کیونکہ یہ بڑی مصیبت کے مقابلہ میں کم ہے وغیرہما۔

⑱ اصول: "دَرْءُ الْمَفَاسِدِ اَوْلٰی مِنْ جَلْبِ الْمَصَالِحِ"

یعنی خرابیوں کو دُور کرنا منافع حاصل کرنے سے بہت بہتر ہے۔ اس اصول کلّی سے معلوم ہوا کہ جب مفاسد و مصالح میں تضاد واقع ہو تو حصول مصالح سے قطع نظر کر کے مفاسد کو دُور کیا جائے گا۔ کیونکہ شریعت مطہرہ کے نزدیک ممنوعات و محرمات اور مفاسد کو دور کرنا مصالح کے حصول سے بہت زیادہ اہم ہے۔ اور اس اصل کی اصل رسول کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کا یہ ارشاد گرامی ہے: "اِذَا اَمَرْتُکُمْ بِشَیْءٍ فَاْتُوْا مِنْہُ مَا اسْتَطَعْتُمْ وَاِذَا نَھَیْتُکُمْ عَنْ شَیْءٍ فَاجْتَنِبُوْہُ" کہ جب میں تمہیں کسی چیز کا حکم دوں تو حتی المقدور اُسے بجا لاؤ اور جب کسی شئے سے منع فرماؤں تو اس سے دُور رہو۔ امور ماموره کو بجالانے کے لئے مَا اسْتَطَعْتُمْ (حتی المقدور) فرمایا اور منہیات کے لئے مطلقًا اجتناب کا حکم دیا۔ اس سے مفاسد و محرمات سے بچنے کی تاکیدِ شدید نکلتی ہے۔ دوسری حدیث شریف میں ارشاد ہوا "لِتَرْكُ ذَرَّةٍ مِمَّا نَھَی اللّٰہُ عَنْہُ اَفْضَلُ مِنْ عِبَادَةِ الثَّقَلَیْنِ" یعنی منہیات الٰہیہ میں سے ایک ذرّہ سے بھی اجتناب کرنا جنّ و انس کی عبادت سے بہتر ہے، اور اسی اصل سے فقہ کے بہت سارے مسائل مستنبط ہیں مثلاً مَن لم یجد سترة ترك الاستنجاء ولو علٰی شطّ النھر" (جسے سترہ نہ ملے وہ استنجاء کو ترک کرے اگرچہ وہ

نہر کے کنارے پر ہو) ۲ عورت پر غسل واجب ہو اور وہ مردوں سے پردہ کی جگہ نہ پائے تو وہ غسل مؤخر کرے (اگرچہ نماز کی قضا کرنی پڑے) ۳ غسلِ واجب میں کلی کرنے اور ناک میں پانی ڈالنے میں مبالغہ کرنا ہے لیکن بحالتِ روزہ مکروہ ہے کہ مبادا روزہ نہ ٹوٹ جائے۔

ہاں بعض مصالح مفاسد پر غالب ہوتے ہیں ایسی صورت میں مصالح کو اختیار کرنا چاہیئے۔ مثلاً دو متحارب گروہوں یا دو مسلم بھائیوں کے درمیان صلح کرانے کیلئے دروغ بیانی کرنا کہ دروغ منہیات شرعیّہ سے ہے مگر مصالح مذکورہ کے لئے جائز ہے۔

طبقاتِ مسائل

فتویٰ نویسی کے لئے جہاں اصول فقہ اور قواعد فقہیّہ کا علم ضروری ہے۔ وہیں یہ بھی ضروری ہے کہ اسے طبقات فقہاء اور طبقاتِ مسائل کا علم ہو کہ اس کا علم نہ ہونے کی صورت میں وہ قدم قدم پر دھوکے کھا سکتا ہے۔

طبقاتِ مسائل میں پہلا طبقہ مسائل، مسائل الاصول ہے جسے ظاہر الروایۃ بھی کہتے ہیں۔ یہ وہ مسائل ہیں جو اصحاب المذاہب سے مروی ہیں۔ لیکن ظاہر الروایۃ کے متعلق مشہور و اغلب یہ ہے کہ "ظاہر الروایۃ حضرت امام اعظم، حضرت امام ابو یوسف، حضرت امام محمدؒ علیہم الرحمہ کے اقوال کو کہتے ہیں" اور ظاہر الروایۃ کا اطلاق جن کتابوں پر ہوتا ہے وہ حضرت محمدؒ کی یہ چھ کتابیں ہیں: (۱) مبسوط (۲) جامع صغیر (۳) جامع کبیر (۴) زیادات (۵) سیر صغیر (۶) سیر کبیر۔ ان کتابوں کی روایتیں ثقہ راویوں نے حضرت امام محمدؒ سے روایت کیں جو تواتر سے ثابت اور مشہور ہیں۔

۲۔ دوسرا طبقہ مسئلہ نوادر ہے۔ یہ وہ مسائل ہیں جن کے راوی تو مذکورہ بالا اصحاب ہی ہیں لیکن مذکورہ بالا چھ کتابوں میں سے کسی کے اندر مندرج نہیں ہیں۔ بلکہ یہ مسائل امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کی دوسری تصانیف میں مذکور ہیں۔ جیسے کیسانیات، ہارونیات، جرجانیات اور رقیات ہیں۔ ان مسائل کو ظاہر الروایۃ اس لئے نہیں کہتے کہ اس کی روایات حضرت امام محمدؒ سے مذکورہ چھ کتابوں کی روایات کی طرح روایاتِ صحیحہ، ثابتہ اور ظاہرہ سے مروی نہیں مسائل نوادر میں حضرت امام محمدؒ کی مذکورہ کتب کے علاوہ حضرت حسن بن زیاد کی المحرر اور کتاب الامالی (حضرت امام ابو یوسف کی املا کرائی ہوئی) وغیرہما کتب شامل ہیں۔

طبقاتِ مسائل کی آخری اور تیسری قسم "الواقعات" ہے یہ وہ مسائل ہیں جن کو بعد کے مجتہدین نے مرتب و مؤلف فرمایا۔ جن میں اکثر حضرت امام ابو یوسف انصاری یا حضرت امام محمد کے شاگرد یا شاگرد کے شاگرد ہیں۔ صاحبین کے تلامذہ کی بہت بڑی تعداد ہے ان میں بعض مشہور شخصیات یہ ہیں۔ حضرت عصام بن یوسف، علامہ ابن رستم، علامہ محمدؒ بن سماعہ، علامہ ابو سلیمان جرجانی، حضرت ابو حفص البخاری وغیرہم اور پھر ان حضرات کے شاگردوں میں حضرت محمد بن سلمہ، علامہ ابن مقاتل، علامہ نصیر بن یحییٰ، علّامہ قاسم بن سلام وغیرہم ان بزرگوں نے اپنے قوی تر دلائل و اسباب کی بنا پر اصحاب مذہب کے خلاف کسی مسئلہ کو ثابت کیا اور اسی کے مطابق فتوی دیا۔ ان کے فتاویٰ میں سب سے پہلے جو کتاب منظر عام پر آئی وہ کتاب النوازل ہے۔ جو فقیہہ اجل ابو اللیث سمرقندی کی ہے، ان کے بعد دیگر فقہاء کرام نے بہت سے مجموعے مرتب فرمائے جیسے مجموعہ النوازل، واقعات صدر الشہید، واقعات

الناطفی وغیرہا۔ پھر اس کے بعد بہت سے فقہاء کرام نے مخلوط و متمیز طور پر کتب فتاویٰ کی تدوین و ترتیب و تالیف فرمائی مثلاً فتاوی قاضیخان، فتاویٰ بزازیہ خلاصہ اور المحیط السرخسی وغیرہا۔

بعض ضروری وضاحت

مسائل اصول میں الحاکم الشہید کی تصنیف "کتاب الکافی" نقل مذہب میں بڑی معتمد کتاب ہے بڑے بڑے اکابر امت نے اس کی شرحیں لکھی ہیں۔

المبسوط: للامام محمد۔ اس کے متعدد نسخے ہیں ان میں سب سے بہتر نسخہ وہ ہے جو علامہ ابو سلیمان جرجانی سے مروی ہے متاخرین علماء و فقہ نے اس کی کئی شرحیں لکھیں جنہیں مقبول عام حاصل ہوا۔

امام محمد کی ہر وہ تصنیف جس میں لفظِ صغیر لگا ہوا ہے اس میں وہ مسائل ہیں جن کی روایت امام محمد نے اپنے استاد گرامی سیدنا امام اعظم سے بواسطہ سیدنا امام ابو یوسف کے کی ہے اور لیکن جن روایتوں کی روایت امام محمد نے بے واسطہ امام ابو یوسف کے براہِ راست امام اعظم سے کی ہے ان روایتوں کے مجموعہ پر لفظ کبیر لگا دیا ہے۔

نوادر: ان مسائل کے لئے استعمال کیا گیا ہے جن کی روایت امام محمد نے ان مذکورہ چھ کتابوں کے علاوہ دوسری کتابوں میں حضرت امام اعظم ابو حنیفہ اور حضرت امام ابو یوسف علیہما الرحمہ سے کی ہے۔

اور **نوازل** ایسے مسائل کے مجموعہ کو کہا جاتا ہے جن مسائل کو مجتہدین مذہب سے دریافت کیا گیا اور انہوں نے ان مسائل میں کوئی نص نہیں پائی بلکہ اپنے

اجتہاد سے ان مسائل کی تخریج کی اور ان کے احکام بیان فرمائے۔

صاحبُ البحرِ نے فرمایا کہ حضرت امام محمد کی ہر وہ تصنیف جس میں لفظ صغیر لگا ہوا ہے اس کی روایتوں میں امام محمد اور امام ابو یوسف متفق ہیں، اور جن تصانیف میں لفظ کبیر لگا ہوا ہے اس کی روایتیں امام ابو یوسف پر پیش نہیں کی گئیں۔ امام محمد کی پہلی تصنیف کا نام اصل ہے اس کے بعد الجامع الصغیر تصنیف فرمایا۔

✿✿✿✿✿✿✿✿✿

فتاویٰ نویس کے لئے جس طرح یہ جاننا ضروری ہے کہ طبقات مسائل کتنے ہیں اور ان میں معتبر و مستند کتابیں کون کون ہیں اسی طرح یہ جاننا بھی ضروری ہے کہ طبقات الفقہاء کتنے ہیں اور کس فقیہ کا درجہ کیا ہے تاکہ یہ معلوم ہو سکے کہ کس فقیہ کا قول معتبر اور قابلِ استناد ہے اور کس کا نہیں۔

علماء ماہرین و متبحرین نے فقہاء کے سات طبقے بیان فرمائے ہیں

طبقہ اولیٰ[۱] : المجتہدین فی الشرع" جیسے ائمہ اربعہ اور وہ لوگ جو قواعد و اصول کی تاسیس میں اور ادلّہ اربعہ سے احکامِ فرعیّہ کے استنباط میں بغیر کسی کی تقلید کے مشاق و ماہر ہوں اور ائمہ اربعہ کے مسلک پر ہو۔

طبقۂ ثانیہ[۲] : "المجتہدین فی المذہب" جیسے صاحبین (امام ابو یوسف، امام محمدؒ) اور امام اعظم سیدنا ابو حنیفہ کے تمام تلامذۂ کرامؒ۔ یہ حضرات اس بات کی قدرت رکھتے تھے کہ ادلّہ اربعہ سے اپنے استاد حضرت سیدنا امام اعظم کے مستخرجہ قواعد و اصول کے مطابق احکامِ شرعیّہ کا استخراج کر سکیں۔

طبقۂ ثالثہ[۳]: "المجتہدین فی المسائل" یہ وہ حضرات ہیں کہ جن مسائل میں اصحابِ مذہب سے کوئی روایت نہیں ملتی ہے، ان مسائل میں اپنے ائمہ کرام کے مقرر کردہ قواعد واصول کے مطابق مسئلوں کا استنباط کرتے اور مسائل محدثہ کو حل فرماتے ہیں جیسے حضرت علامہ ابو جعفر الطحاوی (م ۳۲۱ھ) حضرت ابوالحسن الکرخی (م ۳۴۰ھ) حضرت شمس الائمہ الحلوانی (م ۴۵۶ھ) اور علامہ فخرالدین قاضی خاں (م ۵۹۳ھ) وغیرہم۔

طبقہ رابعہ[۴]: "اصحاب التخریج من المقلدین" یہ حضرات اجتہاد پر قدرت نہیں رکھتے لیکن قواعد واصول کا پورا علم اور مسائل کے ماخذ سے پوری واقفیت رکھتے ہیں اس لئے امام ومجتہد کی اجمالی روایتوں کو تفصیلی طور پر بیان کرنے کی پوری پوری صلاحیّت ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ امام ومجتہد کا ایسا قول جو دو چیزوں پر محتمل ہو صاحب تخریج اس کو امثال و نظائر کی روشنی میں اصول وقیاس کی بنیاد پر کسی ایک چیز پر منطبق کر دیتا ہے جیسے امام رازی امام کرخی وغیرہما۔

طبقہ خامسہ[۵]: "اصحاب الترجیح من المقلّدین" یہ وہ حضرات ہوتے ہیں کہ بعض روایات کو بعض روایات پر تفضیل دینے کی اہلیت رکھتے ہیں اور اس کے مراتب وتفصیل کو بھی بیان کرتے ہیں یہی وجہ ہے کہ وہ اپنی بیان کردہ روایتوں کے بعد ھذا اولیٰ ھذا اصح، ھذا اوضح ھذا اوفق للقیاس وغیرہا فرماتے ہیں جیسے حضرت ابوالحسن قدوری (م ۴۲۸ھ) صاحب الہدایہ (م ۵۹۳ھ) وغیرہما۔

طبقہ سادسہ[۶]: "المقلّدین القادرین علی التمیز"۔ ان کا مقام یہ ہے کہ یہ حضرات اپنی کتابوں میں ضعیف ومردود اقوال بیان

نہیں کرتے اور روایاتِ مختلفہ میں قوی، اقویٰ، ضعیف، ظاہر الروایہ، ظاہر المذہب اور روایاتِ نادرہ میں امتیاز و فرق کرنے کی اہلیت تامّہ رکھتے ہیں جیسے اصحاب المتون المعتبرہ مثلاً صاحب الکنز، صاحب المختار، صاحب الوقایہ وغیرہم۔

طبقہ سابعہ: "المقلّدین الّذین لا یقدرون علیٰ ما ذکر" یہ حضرات کھرے کھوٹے، کمزور و قویٰ ظاہر و نوادر میں کچھ بھی امتیاز کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتے بلکہ اُنہیں جو بھی مواد مل جاتا ہے جمع کر لیتے ہیں۔ یہ حضرات اس قابل نہیں کہ مسائل میں ان کی طرف رجوع کیا جائے۔

رسم المفتی، شرح العقود، المنظوم لابن عابدین

اصولِ فقہ کے بعض قواعدِ مشہورہ کی نشاندہی

(اس دور میں ہمارے علماء کرام کو کتبِ اصولِ فقہ کی ورق گردانی و مطالعہ کا موقع کم ملتا ہے اور بعض مقامات پر ان کتابوں کی فراہمی بھی میسّر نہیں۔ اس لئے میں نے یہاں اِن قواعد مشہورہ کو یکجا کرنے کی کوشش کی ہے جن کی ضرورت کارِ افتاء میں ہمیشہ پڑتی ہے۔ لہٰذا حضرات مفتیانِ کرام خصوصًا جو تربیّت افتاء میں مشغول ہیں انہیں چاہئے کہ ان اصول قواعد کو زبان زد کرلیں)۔

- العجماء جرحها جبار۔ جانور کی دیت قابل معافی ہے۔ (ترمذی ص۲۵۶/۱)
- الخراج بالضّمان۔ خراج (فائدہ) ضمان کیساتھ متعلق ہے۔ (ابوداؤد ص۲۹۵/۲)
- لاقطع فی ثمر ولاکثر۔ پھل اور خوشہ کی چوری میں ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔ (ترمذی ص۱۶۹/۱)
- البیّنة علی المدّعِی والیمین علی المدّعیٰ علیه۔ مدعی پر گواہ اور مدعیٰ علیہ پر قسم ہے۔ (ترمذی وغیرہ)
- لاضرر ولاضرار فی الاسلام۔ اسلام میں تنگی و سختی کرنے کی اجازت نہیں۔ (احادیث نبویّہ)

اس قسم کے اصول احادیثِ مبارکہ میں اور بھی موجود ہیں جس کی تلاش و جستجو کرنی چاہئے۔

خلیفہ دوئم حضرت سیدنا عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی رائے اگر معارض

بالحدیث نہ ہو تو اسے دلیلِ شرعی کی حیثیت حاصل ہے۔ آپ کے آرا مبارکہ کو بعض علماء نے سیرتِ عمرلابن الجوزی کے حوالہ سے جمع کیا ہے اور اسے اصول و قواعدِ فقہیہ کی حیثیت دی ہے جو فقہاء کے نزدیک مقبول ہے مثلاً:

❖ من استعمل فاجراً وھو یعلم انہ فاجر فھو مثلہ۔ جس نے کسی فاجر کو عامل بنایا حالانکہ وہ اس کا فسق و فجور جانتا ہے تو وہ بھی فاجر ہے۔ (فقہِ عمر صـ۱۴۲ بحوالہ سیرتِ عمرلابن الجوزی)

❖ المسلمون عدول بعضھم علیٰ بعض۔ ایک مسلمان دوسرے مسلمان کے حق میں عادل و قابلِ اعتبار ہے۔ (فقہ عمر صـ۵۱۷)

❖ ذروا الربا والریبۃ۔ سود اور جس میں سود کا شبہ ہو اُنہیں چھوڑ دو۔ (فقہ عمر صـ۴۲۳)

❖ البینۃ علی المدعِیْ والیمن علیٰ من انکر۔ مدّعی پر بیّنہ اور منکر پر یمین ہے۔ (فقہ عمر صـ۱۳۷)

نوٹ:۔ مدّعی اور منکر کی تمیز مشکل ہے لہٰذا اس کی پہچان و تمیز میں بہت تدبّر سے کام لینا چاہیئے)۔

فقہ عمر سے یہ تین چار مثالیں پیش کی گئیں جنہیں تفصیلات میں جانا ہو وہ فقہ عمر یا سیرت عمرلابن الجوزی کا مطالعہ کریں۔

❖ لاینبغی لاحد ان یحدث شیئاً فی طریق المسلمین ممّا یضرّھم۔ کسی کے لئے مسلمانوں کے راستے میں ان تصرّفات کا حق نہیں ہے جن سے مسلمانوں کو نقصان پہنچے۔ (کتاب الخراج للامام ابی یوسف صـ۹۳)

❖ القدیم یترك علیٰ قدمہ۔ پُرانی چیزوں کو اسکے حال پر چھوڑ دیا جائے۔ (قاعدہ فقہا)

❖ الامور بمقاصدھا۔ تمام امور کے احکام اسکے ارادوں پر مرتّب ہوتے ہیں۔ (” ”)

- الیقین لایزول بالشك یقین شک سے زائل نہیں ہوتا۔ الاشباہ (قاعدۂ فقہا)
- المشقۃ تجلب التیسیر مشقت سہولت فراہم کرتی ہے۔ " (" ")
- ان السوال یجری علیٰ حسب متعارف کلّ قوم فی مکانھم ۔ سوال ہر قوم کی جگہوں کے عرف کے مطابق جاری ہوگا۔ (اصول الکرخی)
- ان الاحتیاط فی حقوق اللہ تعالیٰ جائز وفی حقوق العباد لایجوز اللہ تعالیٰ کے حقوق میں احتیاط جائز ہے اور بندوں کے حقوق میں احتیاط جائز نہیں۔ (اصول الکرخی)
- انہ اذا مضی بالاجتہاد لایفسخ باجتہادٍ ویفسخ بالنصّ ۔ جب کسی مسئلہ میں اجتہاد ہو جائے تو اُس اجتہاد کو اُسی جیسا اجتہاد فسخ نہیں کر سکتا ہاں نصّ اسے فسخ کر دے گا۔ (اصول الکرخی)
- حدود و تعزیر سے متعلق یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ جو ممالک سلطانِ اسلام یا اسلامی شوکت و غلبہ سے محروم ہیں وہاں شرعی احکام کی پامالی کرنیوالوں (مجرموں) پر توبۂ خالص یا پھر مسلمانوں کو ان سے شرعی انقطاع لازم ہے۔ (فتاویٰ رضویہ ملخصًا)

بعض مصادرِ اصول

اصول و قواعدِ فقہیہ کی مزید معلومات کے لئے مندرجہ ذیل مصادر کی طرف رجوع کرنا ضروری ہے تاکہ مفتی اپنے فرائض و ذمّہ داری کو باحسنِ وجوہ انجام دے سکے۔ بعض کتابوں کا ذکر اجمالاً بیان ہو چکا ہے۔ ان کے علاوہ اصول الکرخی، تاسیس النظر، الاشباہ والنظائر، لابن نجیم تنویر الابصار، خاتمہ مجامع الحقائق، غمز عیون البصائر، رسائل لابن عابدین، العطایا النبویّۃ فی الفتاوی الرضویّہ اور

الاحکام العدلیہ کے بعض شمار ے۔ وغیرہا۔

فتاویٰ رضویہ کا شمار اگرچہ عظیم ترین فتاؤں میں ہے (جس کی بیس۲ ضخیم جلدیں منظرِ عام پر آچکی ہیں)، لیکن مجدّدِ اعظم امام اہلسنّت فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ الغنی نے اس میں جا بجا فقہی اور اصولی افادہ فرمایا ہے جس کے مطالعہ سے نہ صرف تربیتِ افتا میں مصروف علمار کرام کے ذہن وفکر کی گرہیں کھلتی ہیں بلکہ انہیں مشاق و تجربہ کار مفتی بنانے کے لئے کافی و وافی ہے۔

فتاویٰ رضویّہ کے بعض اصول فقہیّہ

فتاویٰ رضویّہ وہ ضخیم اسلامک انسائیکلو پیڈیا ہے جس کی ہر جلد فقہی فوائد، رسم المفتی اور دیگر فوائد اصولیہ سے ایسی مزیّن ہے کہ اگر ان کو جمع کیا جائے تو اصول فقہ کی ایک جامع اور ضخیم کتاب بن سکتی ہے لیکن میں حصول برکت کے لئے ان افادات فقہیہ میں سے بعض کو یہاں نقل کئے دیتا ہوں تاکہ افتار کی تربیت حاصل کرنے والے حضرات علمار کرام اِن سے مستفید و مستفیض ہو سکیں۔

کتب احادیث کی ترتیب

احادیثِ کریمہ میں باعتبار روایت سب سے معتبر صحاح پھر سنن پھر مسانید ہیں۔

○ کتبِ صِحاح: صحاح شیخین (بخاری و مسلم)، منتقیٰ ابن السکن، مختارہ مؤطا امام مالک اور صحیح ابن حبّان بھی اسی سے متصل ہے۔

○ کتبِ سُنن: ابوداؤد، نسائی، ترمذی، ابن ماجہ، اور اسی کے درجہ

میں مسند رویانی، شرح معانی الآثار، حجج عیسیٰ بن ابان
بروایتِ امام محمدؒ، اور کتاب الخراج لامام ابی یوسف۔

○ کتبِ مسانید: مسند امام احمدؒ، مصنّف عبدالرزّاق، مصنّف ابن ابی شیبہ، معجم کبیر طبرانی، معجم صغیر طبرانی، اوسط طبرانی۔

نوٹ: مستدرک حاکم صحاح میں نہیں اور مسند الفردوس کتب المسانید میں سے نہیں ہے۔

○ فقہ میں متون، شروح اور فتاویٰ کا حال وہی ہے جو حدیث میں صحاح سنن اور مسانید کا ہے۔

○ کتب متون: مثلاً مختصر امام طحاوی، مختصر امام کرخی، مختصر امام قدوری کنز الدّقائق، وافی، وقایہ، نقایہ، اصلاح، مختار، مجمع البحرین، مواہب الرحمٰن، ملتقیٰ اور ایسی ہی دوسری کتابیں جو نقل مذہب کے لئے لکھی گئیں۔ علماء نے ہدایہ کو متون سے شمار کیا ہے حالانکہ وہ صورتاً شرح ہے۔

کتب اصول کی وہ شرحیں جو تحقیق پر مبنی ہوں شروح میں داخل ہیں۔

○ کتب اصول: جامع کبیر، جامع صغیر، مبسوط، زیادات، سیر کبیر، سیر صغیر مبسوط امام سرخسی، بدائع ملک العلماء، تبیین الحقائق، فتح القدیر، عنایہ، بنایہ، درایہ، کفایہ، نہایہ، حلیہ، غنیہ، غایۃ البیان، البحر الرائق، النہر الرائق، درر احکام، درمختار، جامع المضمّرات، جوہر نیّرہ، ایضاح وغیرہا۔

نوٹ: اور مذکورہ اصول و شروح ہی میں داخل ہیں محققین کے وہ حواشی جو مذکورہ کتابوں یا دیگر متونؔ و شروح میں سے بعض پر لکھی گئیں، مثلاً

غنیۃ شرنبلالی، حواشی خیر الدین، رملی، ردّ المحتار (فتاویٰ شامی) منحۃ الخالق فتاویٰ خیریہ، العقود الدریّہ۔

تنبیہ: مجتبیٰ، جامع الرموز، شرحِ ابی المکارم، سراج وہّاج اور شرحِ مسکین وغیرہا کتب شروح میں داخل نہیں۔

○ کتب فتاویٰ: خانیّہ، خلاصہ، بزازیہ، خزانۃ المفتیّین، جواہر الفتاویٰ محیطات (محیط نام کی متعدد کتابیں) ذخیرہ، واقعاتِ ناطفی واقعات صدر الشہید، نوازل فقیہ، مجموع النوازل، ولوالجیّہ ظہیریہ، عمدہ، کبریٰ، صغریٰ، تتمۃ الفتاوی، صیرفیۃ، فصول عمادی، فصول استروشنی، جامع صغار، تاتارخانیّہ، ہندیہ منیّہ، رضویّہ وغیرہا۔

ضروری معلومات

ذخیرہ مسند فتاویٰ ہے۔ اسی طرح فتاویٰ علامہ قاسم قطلوبغا بھی، بدائع اور محیط بے نظیر کتب فقہیہ میں سے ہیں جن کا اعتبار آفتاب نیمروز کی طرح روشن ہے۔ تبیین الحقائق شرح کنز الدقائق، مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر، شرح الہدایہ، خلاصۃ الفتاوی، شرحِ نقایہ، فتاویٰ ہندیہ (عالمگیری) نہایت مفید ومعتبر کتابیں ہیں۔

قنیّہ، رحمانیّہ، خزانۃ الروایات، مجمع البرکات اور برہان وغیرہا کتب کا شمار بے تنقید وتنقیح کے نہ شروح میں ہے نہ فتاویٰ میں۔

در مختار اگرچہ معتبر کتاب ہے لیکن بغیر اس کے حواشی کے صرف اسی سے فتویٰ دینا جائز نہیں ہے۔

- قاضی خاں صاحبِ ترجیح ہیں ان کی تصحیح دوسروں کی تصحیحات پر مقدّم ہے۔
- قنیہ جب مشہور کتابوں کی مخالفت کرے تو مقبول نہ ہوگی۔ ہاں اگر اس کے مطابق دوسرے نقولِ معتمدہ موجود ہوں تو وہ بھی مقبول ہوگی۔
- فتح القدیر، طحطاوی اور ردّ المحتار کتبِ معتمدہ ہیں۔
- متون شروح پر شروح فتاویٰ پر مقدم ہے۔ متن و شروح میں تعارض ہو تو عمل متن پر ہوگا۔ (اسی طرح اگر کتب شروح و فتاوی میں تعارض ہو تو عمل شروح پر ہوگا)۔
- متون : مذہبِ صحیح معتمد کے نقل کے لئے وضع کئے جاتے ہیں، ملتقی الابحر متونِ معتمدہ فی المذہب سے ہے۔ ملتقی الابحر میں جو قول مقدم ہو وہی ارجح اور مختار الفتوٰی ہوتا ہے۔
- امام قاضی خاں اسی قول کو مقدّم کرتے ہیں جو اشہر، اظہر اور معتمد ہوتا ہے۔
- قاضی خاں کی ترجیح اوروں پر مقدّم ہوتی ہے۔ قاضی خاں کی تصحیح سے عدول جائز نہیں کیونکہ وہ فقیہ النفس ہیں۔
- صاحب ہدایہ اکثر قولِ قوی کو مقدم کرتے ہیں۔ صاحبِ الہدایہ امام جلیل من ائمّة التخریج والترجیح یجوز تقلیدہ العمل بما ھو المختار فی المذھب وان کان قائل خلافہ اماماً کبیراً ۔۔۔۔
- صاحبِ محیط ائمہ ترجیح سے ہیں۔
- امام (کمال الدین) ابن ہمام صاحبِ فتح القدیر لائق اجتہاد اور اصحابِ ترجیح سے ہیں۔

- علّامہ ابراہیم حلبی اس قول کو مقدّم کرتے ہیں جو مؤید ہو۔
- صاحبُ البحر اصحابِ ترجیح سے نہیں ہیں۔
- فتاویٰ ابن نجیم اور فتاویٰ الطوری پر اعتماد نہیں کیا جاتا ہے۔
- السّراج الوہّاج کا شمار نہ تو کتب اصول و شروع میں ہے اور نہ ہی لائق اعتماد ہے علماء نے اسے کتبِ ضعیفہ میں شمار کیا۔
- چلپی محشی صدرالشریعہ اصحابِ ترجیح سے نہیں ہیں۔
- امام طحاوی کے کچھ اختیارات مفردہ ہیں کہ بترکِ مذہب ان پر عمل کے کچھ معنی نہیں۔
- امام اعظم کے ارشاد کے بعد امام ابو یوسف کا قول مرجّح اور مقدّم ہے پھر امام محمّد کا۔
- فتویٰ طرفین (امام ابو یوسف و امام محمد) کے قول پر ہوگا۔ ہاں اگر فتویٰ میں اختلاف ہو تو قول امام کی طرف رجوع لازم ہے جبکہ وہ اختلاف اختلافِ زمانہ کی وجہ سے نہ ہو۔
- قاضی ابو یوسف علیہ الرحمہ کی روایاتِ نادرہ کو اِن کا مذہب بتانا غلط ہے اس پر عمل صحیح نہیں۔
- منقول فی المذہب قول کے خلاف کسی مجتہد کی بھی بحث مقبول نہیں۔ (تا اینکہ اسباب ستّہ میں سے کسی سبب کا وجود نہ پایا جائے)۔
- ضرورتِ داعیّہ کی وجہ سے قاضی مذہبِ امام کے خلاف فیصلہ دے سکتا ہے اور مفتی قولِ امام کے خلاف فتویٰ دے سکتا ہے (عند وجودِ سببٍ من اسبابٍ ستّۃٍ)۔
- اگر سلطان (جہاں سلطان نہیں ہے وہاں کے مرجع العلماء عالم دین) نے

قاضی کو مقرر کرتے وقت یہ اجازت دی ہو کہ وہ ضرورت کی بنا پر اپنے مذہب کے مرجوح قول یا دوسرے مذہب پر فیصلہ کرسکتا ہے تو اُس قاضی کا فیصلہ صحیح اور نافذ ہوگا۔

○ ضرورت کے وقت مرجوح و مجہول روایت کی تقلید دوسرے مذہب کی تقلید سے بہتر ہے (عند الضرورۃ تقلید "قیل" فی المذھب احسن من تقلید مذھب الغیر)۔

○ حتی الامکان کلماتِ ائمہ میں توفیق و تطبیق محمود ہے ورنہ قاعدہ طیبہ یہ ہے کہ "ممّا علیہ الاکثر من ائمۃ المذھب" پر عمل ہو۔

التمیز فی الافتاء

○ علیہ الفتویٰ اور بہ یفتیٰ فتویٰ کے الفاظ میں آکد ہیں۔

○ لفظ "ناخذ" فتویٰ آکد الفاظ سے ہیں۔

○ فارسی میں "ہمیں ست روایتِ معمولہ" یہ جملہ اپنی قوت میں علیہ الفتویٰ اور بہ یفتیٰ کے برابر ہے۔

○ لفظ "فتویٰ" "صحیح" اصح اور اَشبہ وغیرہا الفاظ سے زیادہ مؤکّد ہے۔

○ لفظ "علیہ العمل" لفظِ فتویٰ کے مساوی ہے۔

○ لفظِ صحیح و اصح دونوں قریب المعنیٰ ہیں (الصحیح والاصح متقاربان)۔

○ عرفِ فقہ میں لفظِ جواز عموماً دو معنوں میں استعمال کیا جاتا ہے بمعنی صحت جیسے عقود وغیرہ میں۔ اور بمعنی حلّت افعال وغیرہ میں۔

○ اخبار اگرچہ وجوب پر دلالت کرتے ہوں لیکن عموماً وہ استحباب کے لئے آتے ہیں۔ اور اس کا صیغۂ امر سے زیادہ مؤکّد ہوتا ہے (صیغۃ الاخبار

اکد من الامر)۔

- صیغۂ نفی صیغۂ نہی سے زیادہ مؤکّد ہوتا ہے۔
- صیغۂ لایفعل سے متبادر کراہیتِ تحریم ہوتی ہے اور یفعل مفیدِ وجوب ہوتا ہے اور "لا اصل لہا" مقتضیٰ کراہت نہیں۔
- شروح حدیث کی کتابوں میں جو مسئلہ کتبِ فقہیہ کے خلاف ہو وہ معتبر نہیں۔
- جو حکم کتاب و سنّت مشہورہ کے خلاف ہو وہ مردود ہے۔
- مذہب کے مفتی بہ قول کے مقابل بعض مشائخ کے قول پر اعتماد کرنا جہل اور خرق اجماع ہے۔
- اگر روایاتِ مذہب مختلف ہوں اور سب ظاہر الروایہ اور صحیح ہوں تو سب سے اہم کام منقّح کا ادراک ہے۔
- دوسرے مذہب کی تقلید اگر مشروط طور پر جائز ہو تو ضرورت کے وقت صرف اس پر عمل کیا جائے باقی رہا فتویٰ دینا۔ تو فتویٰ صرف مذہب کے قولِ راجح پر دیا جائے گا (تقلید الغیر عند الضرورۃ وان جاز بشروطہ فالعمل نفسہ امّا الافتاء فلا یکون الّا بالرّاجح فی المذھب)۔
- احکامِ فقہیّہ میں واقعات کا لحاظ ہوتا ہے۔ احتمالاتِ غیر واقعہ کا نہیں۔ جہاں چند روایات ہوں علماء کو ادھر جھکنا چاہیئے جس میں مسلمان تنگی سے بچیں۔
- اساطینِ امّت (علماء ربّانیین) کی عظمت اس میں ہے کہ عند الحاجۃ عوام کے لئے رخصت اور اپنے لئے عزیمت اختیار کرے۔
- فتاویٰ کے مقابل شروح، اور شروح کے مقابل متون جس طرح افتاء میں مقدّم ہوتے ہیں عمل میں بھی مقدّم رہیں گے۔

- فقہاء کرام احکام میں نادر صورتوں کا لحاظ نہیں فرماتے ہیں۔
- اطلاق وعموم سے استدلال جائز ہے کہ یہ نہ تو قیاس ہے نہ مجتہد سے خاص۔
- "فعل" جواز کی دلیل ہے لیکن "عدم فعل" ممانعت کی دلیل نہیں۔
- محتمل کو محکم کی طرف لوٹانا طریقہ معروفہ ہے۔
- صیغہ مجہول اکثر مشیر بہ ضعف ہوتا ہے۔
- جوازِ فعل کے لئے 'نہی شرعی' کا نہ ہونا ہی سند کافی ہے۔
- نکرہ نفی کے تحت آئے تو عام اور اثبات میں آئے تو خاص ہوتا ہے۔
- جو عام ہو اس کو کوئی خاص نہیں کرسکتا اسی طرح جو مطلق ہو اُسے کوئی مقیّد نہیں کرسکتا۔
- مندوبیّت کی نفی سے مکروہ (یا مکروہ تنزیہی) ہونا ثابت نہیں ہوتا ہے۔
- جب بہ تصریح تعمیم امر شرع واقع ہو تو جمیع ازمنہ تحتِ امر داخل ہوتے ہیں۔
- دلالت بھی مثلِ صریح ہے۔ مگر جب صریح اس کے خلاف ہو تو معتبر نہیں۔
- متبوع کے ساقط ہونے پر تابع خود بخود ساقط ہوجاتا ہے اور جب کوئی شئے باطل ہوجائے تو اس کے ضمن کی تمام شئے باطل ہوجاتی ہے۔
- عموماً جب کسی شئے کو باطل کہا جاتا ہے تو اس کا معنی (سیبطل) ہوتا ہے۔
- دو دلیلوں میں سے قوی تر دلیل پر عمل کرنے ہی میں احتیاط ہے۔ (الاحتیاط ھو العمل باقوی الدلیلین)۔
- شئے اگرچہ مطلق ذکر کی جائے اپنے اسباب وشروط اور احکام وآثار پر خود ہی دلالت کرے گی۔
- نقلِ مجہول پر عمل واعتماد نہیں کیا جائے گا اگرچہ ناقل ثقہ ہو "لا یعتمد

علی النقل عن مجہول وان کان الناقل ثقۃ ۔ (العطایا النبویہ)

بعض دیگر فوائدِ فقہیّہ

- جن باتوں کا ذکر قرآن وحدیث میں نہ نکلے وہ ہرگز ممنوع نہیں بلکہ معافی میں ہے۔
- اختلافِ علماء سے بچنا مستحب ہے جب تک اپنے مذہب کا مکروہ لازم نہ آئے۔
- قیاس و فقہ کی حُجّیت بھی ضروریات دین سے ہے۔
- اختلافِ زمان ومکان سے احکام شرع بدلتے ہیں۔
- فتویٰ عرف وعادت پر ہوگا اگرچہ وہ ظاہر الروایۃ کے خلاف ہو۔
- عوام کے افعال سے سندِ جہالت ہے۔
- سوال کے اختلاف سے جواب میں اختلاف ہوسکتا ہے جِس کی ذمّہ داری سائل پر ہے۔
- تعامل سے وقف وغیرہ کا ثبوت ہوتا ہے۔ (تعامل بھی دلائلِ شرع میں سے ایک ہے)
- حکم جب کسی علّت سے ثابت ہو تو جب تک علّت باقی رہے حُکم باقی رہے گا۔
- اگر اباحت بوجہِ ضرورت ہے تو جب ضرورت نہ رہے اباحت بھی نہیں رہتی۔
- مشقّت جالبِ تیسیر (آسانی کا سبب) ہے اور ضرر شرعًا واجبُ الدّفع ہے۔
- جو دو بلاؤں میں مبتلا ہو اُسے چاہئے کہ اُن میں سے ہلکی کو اختیار کرے۔
- تحرّی دلائلِ شرعیّہ میں سے ہے۔ قولِ فاسق کے صدق پر اگر تحرّی

واقع ہو تو وہ معتبر ہے۔

- گناہ وفسق مسقِط ومانِع ولایت نہیں۔
- جو حکم خلافِ قیاس مانا جاتا ہے وہ مورَد سے آگے تجاوز نہیں کرسکتا۔
- تکالیفِ شرعیہ قدرِ وسع پر مقصود ہے۔
- حکم میں اگر مختلف صورتیں نکلتی ہوں تو مسئولہ صورت کی وضاحت مفتی پر مناسب ہے۔
- جبتک کسی خاص وقت کی ممانعت شرع سے ثابت نہ ہو منع وانکار حکمِ شرع کا ردّ وابطال ہے۔
- جس مسئلہ پر تمام بلاد میں عام مسلمین کے تعامل وافعال شاہدِ عدل ہوں وہ محتاجِ دلیل نہیں۔
- جو تعامل کے خلاف دعویٰ کرے وہ اپنے دعویٰ پر دلیل لائے، مجرّد حدوث شرعًا دلیلِ منع نہیں۔
- اہلِ باطل کا شعار اسی وقت تک قابلِ احتراز ہے جبتک ان کا شعار ہے۔ اگر ان سے رواج اُٹھ گیا اور وہ امر فی نفسہٖ شرعًا جائز ہے تو اب اس کی ممانعت نہیں۔
- بہت سے احکام نیّت کے فرق سے بدل جاتے ہیں۔
- اگر کوئی عالم غیر مجتہد کے قول کو بطورِ جزم لکھ جائے تو اس کی گرفت ہوگی۔
- متون وشروح اور کتب فتاویٰ سے حوالے دیئے جاسکتے ہیں۔
- تالیفِ قلوب کے لئے "کبھی کبھی" ترکِ افضل جائز ہے (بلکہ اس پر ثواب ملتا ہے)۔
- دماء، فروج، مضار اور خبائث کے سوا تمام اشیاء میں اصل

اباحت ہے۔

- جبتک دلیلِ قطعی آسانی سے ملے دلیلِ ظنّی پر عمل جائز نہیں۔
- رکن، شرط اور فرض میں فرق ہے جس کا ادراک مفتی کے لئے ضروری ہے۔
- استفاضہ بمنزلۂ خبرِ متواتر ہے۔
- جو شئے قطعی اور یقینی ہو وہ احتیاط کی محتاج نہیں۔
- مجتہد اپنی خطاء پر بھی ثواب پاتا ہے اگرچہ صواب کا ثواب دونا ہے۔
- اقوالِ ائمہ میں تطبیق اولیٰ ہے ترجیح سے۔
- ناواقفی مانع گناہ نہیں کہ مسائل دینیہ سے ناواقف ہونا خود گناہ ہے اسی لئے عالم کا گناہ ایک گناہ اور جاہل کا گناہ دو گناہ ہے۔
- نقلوں کی کثرت سے مسئلہ کی غرابت دور نہیں ہوتی جبکہ منقول عنہ ایک ہو۔
- فریقین کے بیان سُننا قاضی پر لازم ہے مفتی پر نہیں۔
- ممکن کا اثبات و نفی بغیر دلیلِ سمعی جائز نہیں۔
- ہر فرض بقدرِ قدرت اور ہر حکم بشرطِ استطاعت ہوتا ہے۔
- حدود و تعزیر و قصاص اعلمِ علماء بلد کے اختیار میں نہیں اس کے لئے سلطانِ اسلام ہونا چاہئے۔
- اگر مدعی کے گواہ قاضی کی مجلس میں حاضر ہوں تو بالاتفاق مدّعیٰ علیہ سے قسم نہیں لی جائے گی۔
- احد المعصیتین کا ارتکاب دوسری معصیت کو مباح نہیں کرتا۔
- مامور بشیئین سے اگر ایک فوت ہوجائے تو دوسری ساقط نہیں ہوتی۔
- قسموں کی بنیاد عرف پر ہوتی ہے۔
- حرام و حلال کے مخلوط کا تناول اس لئے ناجائز ہوجاتا ہے کہ بوجہِ اختلاط

اس کا تناول تناولِ حرام سے خالی نہیں ہوسکتا۔

○ لڑکا بارہ[۱۲] اور لڑکی نو[۹] برس کی عمر میں بالغ ہوسکتی ہے اور دونوں کے لئے زیادہ سے زیادہ پندرہ[۱۵] برس ہے۔

افاداتُ الفقہاء للافتاء والقضاء

ظن، علم

کسی حکم کے خلاف اگر احتمالِ صحیح کسی دلیل کی وجہ سے ہو اور دل اس کی طرف مائل ہو تو وہ ظَن ہے اور اگر کسی حکم کے خلاف کا کوئی تصوّر نہ ہو تو وہ یقین ہے۔

○ اگر کسی حکم کے خلاف مضمحل دلیل کی وجہ سے احتمال و امکان ہو اور دل بھی اس کی طرف نہ جھکے تو وہ ظنِ غالب ہے جس کو اکبرِ رائے سے تعبیر کیا جاتا ہے فقہ میں اسے بھی یقین کہتے ہیں۔

○ کسی حکم کے خلاف کسی دلیل کی وجہ سے احتمالِ صحیح ہو مگر دل اس کی طرف مائل نہ ہو تو وہ علم ہے۔

امرِ شرعی

جب کسی امر کو امرِ شرعی کہا جائے تو اس کے دو[۲] معنیٰ ہوتے ہیں مقبول[۱] فی الشرع، مطلوب[۲] فی الشرع۔

فتویٰ

فتویٰ کی دو[2] قسمیں ہیں: عرفی[1] اور حقیقی[2]۔

عرفی یہ ہے کہ بغیر دلیل کے جانے ہوئے محض تقلید کے طور پر امام کے اقوال لوگوں کو بتائے جائیں۔ فتاویٰ ابن نجیم، فتاویٰ غزّی اور فتاویٰ خیریہ وغیرہا اسی قبیل سے ہیں۔

حقیقی یہ ہے کہ تفصیلی دلائل کی معرفت کے بعد فتویٰ دیا جائے اور ایسے فتویٰ دینے والوں کو اصحابِ فتاویٰ کہا جاتا ہے مثلاً فقیہ ابو جعفر، اور فقیہ ابواللیث وغیرہما۔

قول

قول کی بھی دو[2] قسمیں ہیں: قولِ صوری[1]، قولِ ضروری[2]۔

قول صوری وہ جو منقول قول ہو۔ اور قولِ ضروری وہ جو منقول نہ ہو بلکہ ضمناً آگیا ہو اور اس کا حکم ضرورتاً کیا گیا ہو۔ بسا اوقات حکم ضروری حکم صوری کے مخالف ہو سکتا ہے اور مخالفت کی صورت میں ضروری غالب ہوتا ہے، ایسے حالات میں اگر کوئی صوری کو اختیار کرے تو یہ مخالفت کہلائے گی اور ضروری کا اتباع موافقت کہلائے گا۔ ایسی صورت میں ضروری قول پر عمل قول صوری ہی پر عمل ہے۔

سنّت و واجب

جو عمل مواظبتِ مطلقہ یا احیاناً مع الترک سے ثابت ہو وہ سنّت ہے۔

اور جو مواظبتِ دائمہ نیز ترک پر نکیر سے ثابت ہو وہ واجب ہے۔

اساءت

کراہتِ تحریمی اور کراہتِ تنزیہی کے درمیان اساءت ہے۔

○ ترکِ اولیٰ میں حکم کراہت نہیں۔

○ معصیت اباحت کے ساتھ مجتمع نہیں ہوتی لیکن مکروہ تنزیہی اباحت کے ساتھ مجتمع ہوتا ہے۔

ترتیبِ منکر

مکروہ تنزیہی سے اساءت بُری ہے۔ اساءت سے مکروہ تحریمی بدتر ہے، مکروہ تحریمی سے بُرا کبائر ہے۔ کبائر سے زیادہ بدتر بدعت و ضلال ہے، اِس سے بدتر کفر ہے اور کفرِ اصلی سے بدتر ارتداد ہے۔

○ مُقَدَّمَۃُ الْحَرَامِ حَرَامٌ علماء اصولیین کا مقولۂ مسلّمہ ہے۔ شرعِ مطہر جس چیز کو حرام فرماتی ہے اس کے مقدّمہ اور دواعی (اسباب) کو بھی حرام بتاتی ہے۔

○ مکروہ تحریمی گناہِ صغیرہ ہے۔ مکروہ تنزیہی گناہ نہیں۔

کفر

افعال کیسے ہی شنیع و بدتر ہوں کفر کی شناعت کو نہیں پہنچ سکتے۔

○ کسی کلام میں ننانوے ۹۹ احتمال کفر کے ہوں اور ایک اسلام کا تو اس کے قائل پر حکمِ کفر نہ دیں گے۔

○ ضروریاتِ دین میں سے کسی ضرورت دینی کا انکار کفر ہے اور اس انکار پر تاویل مسموع نہیں۔

○ کفرِ اصلی کی ایک قسم نصرانیّت ہے اس سے بدتر مجوسیّت ہے اس سے بدتر بُت پرستی، اس سے بدتر وہابیّت، اس سے زیادہ خبیث و بدتر دیوبندیت اور ان میں سب سے زیادہ اخبث و مردود قادیانیّت و مرزائیت ہے۔

○ کسی ضروریاتِ دین پر اگر نصّ قطعی نہ بھی ہو تب بھی اس کا منکر کافر ہے۔

○ مرتدین اور روافض و وہابیہ کا اختلاف معتبر نہیں لہٰذا وہ قادحِ اجماع نہیں۔

○ مرد کے ارتداد سے بالاجماع فوراً فسخ نکاح ہو جاتا ہے۔ جبکہ عورت کے مرتد ہونے سے نکاح فسخ نہیں ہوتا مگر شوہر کو اس سے قربت حرام ہو جاتی ہے جبتک اسلام نہ لائے۔

○ کسی بدمذہب مرتد (قادیانی دیوبندی وہابی وغیرہا) سے فتویٰ پوچھنا اور اس پر عمل کرنا حرام ہے۔

○ فعل گناہ پر کفر کا فتویٰ دینا جائز نہیں۔

حاکمِ شرع۔ قاضی اور مفتی

○ امیر شرعی کسی کے انتخاب پر منحصر نہیں بلکہ دیانت و فقاہت میں اس کا تفرّد و تفوّق ہی اسے متعیّن کرتا ہے۔

○ حاکمِ شرع (امین شریعت، امیر شریعت یا عالم علماء بلد) کے ہاتھوں پر بیعت ہونا بھی ضروری نہیں۔

○ قاضی و مفتی کے فیصلوں اور فتوؤں کو حاکمِ شرع کے حضور چیلنج کیا جا سکتا ہے پھر اگر حاکمِ شرع چاہے تو ان فیصلوں اور فتوؤں کو بحال رکھے یا نظر ثانی کا حکم

دے یا ان فیصلوں اور فتووں کے خلاف حکم صادر کرے۔

○ حاکمِ شرع کے فیصلوں کو کسی بھی قاضی و مفتی کی عدالت میں چیلنج نہیں کیا جا سکتا۔

○ قاضیٔ شرع حاکمِ شرع کا نائب ہوتا ہے بالفاظِ دگر وہ نائبِ شرع ہوتا ہے۔

○ جہاں قاضیٔ شرع سلطانِ اسلام یا حاکمِ شرع کی جانب سے مقرّر نہ ہو وہاں جو عالمِ دین تمام اہلِ شہر میں فقہ کا اعلم ہو وہ قاضیٔ شرع یا حاکمِ شرع ہے۔

○ ایک ملک یا ایک آبادی میں درجنوں مفتی ہو سکتے ہیں عامۃ المسلمین کو جس مفتی پر اعتماد ہو مسائل دینیّہ میں اس کی طرف رجوع کرے۔

○ مفتی بہرصورت سوال کا جواب دیتا ہے واقعہ سے بحث اس کے فرائض میں نہیں۔

○ مفتی بر تقدیر صدقِ مستفتی یا صورت مستفسرہ کے مطابق جواب دے گا۔

○ مفتی پر لازم ہے کہ وہ کسی کے ساتھ مراسمِ قدیم کو اظہار حق پر غالب نہ آنے دے۔

○ مسئلہ شرعی میں قلّت و کثرت رائے کو دخل نہیں۔

○ غلط فتویٰ کا ازالہ مفتی اور مصدّقین سب پر فرض ہے۔

○ جو بے علم کے فتویٰ دیتا ہے زمین و آسمان کی مخلوق اس پر لعنت بھیجتی ہے۔

○ جو مفتی فتویٰ دیتے وقت اپنے علاقہ کے حال کو ملحوظ نہ رکھے وہ جاہل ہے۔

○ مفتی کا خود شقوق قائم کر کے ہر شق کا جواب دینا مصلحتِ شرعیّہ کے خلاف ہے۔

○ بغیر علم کے فتویٰ دینے والے بحکمِ حدیث ضال و مضلّ ہے۔

○ غلط مسئلہ بتانے والے قابلِ امامت نہیں۔

- مذہبِ غیر کے نقل میں بارہا لغزش ہو جاتی ہے (اس میں مفتی کو کمالِ احتیاط چاہیئے۔
- جو فتویٰ پر زیادہ جرأت کرتا ہے وہ آگ پر زیادہ جرأت کرتا ہے۔
- اگر مفتی کو معلوم ہے کہ سائل نے غلط سوال کیا ہے تو اس کا جواب نہ دے۔
- اصل واقعہ معلوم ہو جانے کے بعد مفتی کو جائز نہیں کہ وہ سائل کے مفروضہ سوال کے مطابق جواب دے۔
- مفتی کو چاہیئے کہ وہ گول مول سوال کا جواب نہ دے۔ (جواب سے پہلے سوال کو اچھی طرح سمجھ لینا ضروری ہے)۔
- بے تحقیق کسی مسئلہ کا جواب دینا حرام ہے۔
- روایاتِ شاذّہ ساقطہ پر فتویٰ دینا جائز نہیں۔
- قولِ ضعیف پر فتویٰ دینا جہل اور مخالفِ اجماع ہے۔
- منسوخ پر عمل جائز نہیں۔
- حکمِ شرعی معلوم ہو جانے پر سوال کی صورت کو تبدیل کرنا مکر و فریب ہے۔
- فاسق قضائے شرعی کے عہدے کا مستحق نہیں ہو سکتا۔
- قاضی حجّتِ شرعیّہ کے ساتھ فیصلہ کرے گا جبکہ مفتی مجرّد سوال کے مطابق جواب دے گا۔

اصُولِ مُتفرّقہ

- ائمّہ دین میں سے جب کوئی اپنے قول سے رجوع کر لے تو اب وہ قول اُس کا قول نہ رہا اور نہ اس کی وجہ سے اس پر طعن روا ہے۔
- حولانِ حول سے صرف قمری سال مراد ہوتا ہے۔

- زکوٰۃ صرف نصاب میں واقع ہوتی ہے عفو میں نہیں۔
- قومہ و جلسہ کے اذکارِ طویلہ نوافل پر محمول ہیں فرائض میں مسنون نہیں۔
- جو پایۂ اجتہاد نہ رکھتا ہو یا اسے کشف ولایت نہ ہو اس پر امامِ معیّن کی تقلید واجب ہے۔
- تعظیم و توہین کا مدار عرف پر ہوتا ہے۔
- کسی شرطِ فاسد سے نکاح فاسد نہیں ہوگا بلکہ وہ شرط ہی کالعدم قرار پائے گی۔
- نکاح خوانی کے قاضی، شرعاً قاضی نہیں ہوتے نہ انہیں کوئی اختیار حاصل ہوتا ہے۔ وہ تو "اَسْمَاءٌ سَمَّیْتُمُوْهَا مَا اَنْزَلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ" کے قبیل سے ہیں۔
- تحریمِ دختر کے لئے مناطِ حرمت صرف وطی ہے (اس کے لئے نکاح حلال ہونے کی شرط نہیں)۔
- ایک فعل میں بہت سی نیّتیں ہو سکتی ہیں اور سب پر ثواب مرتّب ہو سکتا ہے۔
- تارکِ نماز کی تکفیر جمہور کا مسلک نہیں یہی ائمہ اربعہ کا مجمع علیہ مذہب ہے۔
- متأخرین کے نزدیک روافض کو شیعہ کہا جاتا ہے۔
- جن احادیث میں مطلقاً جمع بینَ الصّلوٰتین وارد ہے وہ سب کی سب جمعِ صوری پر محمول ہیں۔
- مسلمانوں کا کام حتّی الامکان صلاح پر محمول کرنا واجب ہے۔
- صریح لفظ میں تاویل کا دعویٰ مقبول و مسموع نہیں۔
- بغیر قرینہ کسی مطلق کو مقیّد نہیں کر سکتے۔
- مستقل مجتہد صدیوں سے مفقود ہے۔

- قاضی ابو یوسف علیہ الرحمہ کی جو روایت مذہبِ امام کے خلاف ہو وہ مسلّم نہیں۔
- ائمّہ اہلسنّت میں اصولی مسائل کے اندر اختلاف نزاعِ لفظی کی حد تک رہتا ہے۔
- منّت خواہ عرفی ہو یا اختراعی، شرعی نہیں ہوتی۔
- علماء دین کی توہین سے تجدیدِ اسلام و نکاح لازم ہو جاتا ہے۔
- وقتِ عشاء میں قول صاحبین کو دُرر میں مفتی بہ کہا۔ لیکن جہاں کوئی سبب نہیں وہاں قولِ امام سے عدول جائز نہیں اور نہ قولِ صاحبین پر اعتماد جائز۔
- مبتدعین اُمّتِ دعوت میں ہیں امّتِ اجابت میں نہیں۔

واللہ تعالیٰ ورسولہ اعلم وَصَلَّی اللّٰہُ تَبَارَكَ وَتَعَالٰی عَلٰی حَبِیْبِنَا وَقُدْوَتِنَا وَنَبِیِّنَا وَمَوْلٰنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِہٖ وَصَحْبِہٖ وَحِزْبِہٖ اَجْمَعِیْنَ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ